

قرآنی اصطلاحات کا معنوی ارتقاء: تفسیر اور زبان کی روشنی میں تجزیاتی مطالعہ

Semantic Development of Qur'anic Terms: An Analytical Study in the Light of Exegesis and Language

Aisha Shafqut

Lecturer, Gulab Devi Educational Complex, Lahore, Pakistan.

Email: musyryebahmad@gmail.com

Abstract

This article examines the semantic development of Qur'anic vocabulary through the interaction of Arabic usage, textual context, and exegetical interpretation. It historical semantic change from contextual variation, conceptual distinguishes enrichment, and the subsequent expansion of exegetical explanation. Using a -qualitative, comparative approach, the study considers selected passages concerning al huda, alongside relevant discussions in classical -nd alsabr, a-ummah, al-qaryah, al lexical and exegetical sources. The analysis argues that multiple meanings within the Qur'an do not, by themselves, establish a chronological transformation of a word. Such tly dated linguistic evidence and a defensible account of a claim requires independen continuity between earlier and later usage. The selected terms instead reveal different patterns: the relation between settlement and inhabitants, collective identity and plined perseverance across ethical situations, and exemplary leadership, disci differentiated forms of guidance. Comparison between early and later exegetical explanations shows that greater analytical detail may clarify an existing meaning poses a controlled interpretive method that without creating a new one. The article pro combines lexical evidence, syntax, immediate context, intertextual comparison, and transmitted explanation, while distinguishing textual meaning from contemporary .application

is, Arabic Lexicography, Context, Semantic Keywords: Qur'anic Semantics, Exeges Development, Polysemy

تعارف موضوع

قرآن مجید کی زبان اپنے مخاطب کے لیے قابل فہم عربی زبان ہے، لیکن اس کے الفاظ کا مفہوم صرف ایک مختصر لغوی مترادف سے متعین نہیں ہوتا۔ لفظ جس ترکیب، واقعے، اخلاقی حکم اور اعتقادی بیان میں واقع ہوتا ہے، وہ سب اس کی دلالت کو سمجھنے میں حصہ لیتے ہیں۔ اسی لیے قرآنی اصطلاحات کا مطالعہ لغت، تفسیر، بلاغت اور اصول استنباط کے باہمی تعلق کو سامنے لاتا ہے۔ اس موضوع کی علمی اہمیت یہ ہے کہ ایک لفظ کے مختلف استعمالات میں ارتباط سمجھا جائے؛ فقہی اہمیت یہ ہے کہ لغوی امکان، متعین مراد اور مستنبط حکم کے درمیان فرق محفوظ رہے۔

ابتدائی تفسیری روایت میں معانی کی توضیح، منقول بیان اور عربی استعمال بنیادی وسائل تھے۔ بعد میں معانی القرآن، غریب القرآن، جامع تفاسیر اور لغوی تصانیف نے ان مباحث کو زیادہ منظم صورت دی۔ موجودہ تحقیق کی ضرورت اس وقت نمایاں ہوتی ہے جب ہر تفسیری اختلاف کو معنی کی تبدیلی، یاہر نئی

تطبیق کو قرآن کے لفظ کا نیا مفہوم سمجھ لیا جاتا ہے۔ اس مضمون میں معنوی ارتقاء کی نظریاتی بنیادیں، تفسیری مناجح کی توضیحی ترجیحات اور قریہ، امت، صبر اور ہدیٰ کے منتخب استعمالات کا تجزیہ کیا جائے گا۔ بنیادی سوال یہ ہے کہ کہاں معنی کا سیاقی تنوع ہے، کہاں قرآنی تصور کی تنظیم، اور کہاں تاریخی تبدیلی کا دعویٰ مزید شہادت کا محتاج ہے۔

بحث اول: قرآنی اصطلاحات کے معنوی ارتقاء کی نظریاتی بنیادیں

قرآنی اصطلاحات کے معنوی ارتقاء پر گفتگو سے پہلے لفظ ارتقاء کی علمی حد متعین کرنا ضروری ہے۔ روزمرہ گفتگو میں یہ لفظ وسعت، ترقی، تبدیلی اور تفصیل کے لیے یکساں استعمال ہوتا ہے، لیکن تحقیقی مطالعے میں ان سب کو ایک مفہوم قرار نہیں دیا جاسکتا۔ ایک لفظ مختلف جملوں میں مختلف افراد یا حالات پر منطبق ہو، تو یہ مصداق کا تنوع ہو سکتا ہے۔ اس کے کسی معروف مفہوم کے ساتھ نئی اخلاقی جہت مربوط ہو، تو یہ تصور کی تشکیل ہو سکتی ہے۔ متاخر مفسر اسی مفہوم کو زیادہ تفصیل سے سمجھائے، تو یہ علم تفسیر کی توضیحی پیش رفت ہوگی۔ لفظ کے استعمال میں واقعی تاریخی تبدیلی ان سب سے الگ دعویٰ ہے۔ اس بحث میں پہلے لغوی اور اصطلاحی تشکیل کا تعلق واضح کیا جائے گا، پھر تفسیر اور زبان کے باہمی کردار کا جائزہ لیا جائے گا۔ اس کے بعد معنوی تحقیق کے ضوابط اور اختلاف معنی کے اسباب زیر بحث آئیں گے۔ تحقیق کی بنیاد یہ ہوگی کہ لفظ کو اپنے تاریخی لسانی ماحول، قرآنی ترکیب اور مجموعی خطاب سے الگ نہ کیا جائے۔ اس احتیاط کا مقصد معنی کی وسعت کو محدود کرنا نہیں، بلکہ اس کی علمی نوعیت کو درست پہچاننا ہے۔ یوں تحقیق پہلے یہ پوچھتی ہے کہ متن کیا کہتا ہے، پھر یہ کہ مفسر اسے کس طرح سمجھتا ہے، اور آخر میں یہ کہ اس سے کون سا موجودہ اطلاق اخذ کیا جاسکتا ہے۔

۱۔ قرآنی اصطلاحات کی لغوی و اصطلاحی تشکیل

لغوی معنی کسی لفظ کے معروف لسانی استعمال کی نشان دہی کرتا ہے، جب کہ اصطلاحی معنی کسی خاص علمی، دینی یا عملی نظام میں اس کے متعین مفہوم کو ظاہر کرتا ہے۔ تاہم قرآن میں آنے والے تمام الفاظ کو فقہی معنی میں منقول اصطلاح قرار دینا درست نہیں۔ نماز، زکوٰۃ اور حج کے متعلق شرعی استعمال کی بحث اپنی نوعیت رکھتی ہے؛ قریہ، امت، صبر اور ہدیٰ جیسے الفاظ میں کبھی عام لغوی دلالت برقرار رہتی ہے اور کبھی قرآنی سیاق اس کے اخلاقی یا اعتقادی تعلقات کو نمایاں کرتا ہے۔ اس فرق کو ملحوظ رکھنے سے لفظ کی اصل پہچان بھی محفوظ رہتی ہے اور قرآن کے تصوراتی نظام میں اس کا مقام بھی واضح ہوتا ہے۔

(إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ)^۱

ترجمہ: بے شک ہم نے اسے عربی قرآن بنا کر نازل کیا ہے تاکہ تم سمجھو۔

(بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُبِينٍ)^۲

ترجمہ: واضح عربی زبان میں۔

ان آیات سے زبان کی اہمیت ثابت ہوتی ہے، مگر یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ معجم میں درج ہر معنی ہر قرآنی مقام پر مراد ہے۔ لغت ممکنہ معانی کا دائرہ فراہم کرتی ہے؛ کلام کا سیاق ان میں سے مناسب معنی متعین کرتا ہے۔ مثال کے طور پر اردو میں لفظ روشنی محسوس نور، علمی آگہی اور امید کے لیے استعمال ہو سکتا ہے، لیکن کسی خاص جملے میں ان سب کو بیک وقت مراد نہیں لیا جاتا۔ اسی طرح عربی لفظ کے متعدد استعمالات کا علم اس کے قرآنی مفہوم کی تحقیق کا آغاز ہے، اختتام نہیں۔

راغب اصفہانی قریہ کی دلالت بیان کرتے ہیں:

"الْقَرْيَةُ: اسْمٌ لِلْمَوْضِعِ الَّذِي يَجْتَمِعُ فِيهِ النَّاسُ، وَلِلنَّاسِ جَمِيعًا، وَيُسْتَعْمَلُ فِي كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا."³
ترجمہ: قریہ اس جگہ کا نام ہے جہاں لوگ جمع ہوں، اور مجموعی طور پر لوگوں کے لیے بھی آتا ہے؛ ان دونوں میں سے ہر ایک کے لیے اس کا استعمال ہوتا ہے۔

یہ تعریف دکھاتی ہے کہ بعض الفاظ کی دلالت میں دو مربوط جہتیں پہلے ہی موجود ہوتی ہیں۔ قریہ کے متعلق سوال یہ نہیں کہ قرآن نے مکان کے معنی کو ختم کر کے انسانوں کا معنی پیدا کر دیا، بلکہ یہ ہے کہ ہر مقام پر آبادی کی کون سی جہت مقصود ہے۔ اگر داخل ہونے کا ذکر ہے تو مکانی پہلو غالب ہو گا؛ اگر سوال کرنے یا ظلم کرنے کا ذکر ہے تو انسانی پہلو نمایاں ہو گا۔ اس صورت میں سیاقی انتخاب کو تاریخی نقل معنی کہہ دینا تحقیق کے مقدمے کو نتیجہ بنا دینے کے مترادف ہے۔

اصطلاحی تشکیل کے لیے کم از کم تین امور دیکھنے چاہئیں: لفظ کا سابق استعمال، متعلقہ خطاب میں اس کے استعمال کا تسلسل، اور اس کے ساتھ وابستہ مفہوم کی خصوصیت۔ کسی لفظ کے قرآن میں وارد ہونے سے وہ قرآنی لفظ تو ہو جاتا ہے، لیکن ضروری نہیں کہ اس کا عام معنی ایک بالکل نئی فنی تعریف میں منتقل ہو گیا ہو۔ صبر کے اخلاقی تصور میں ایمان، ذمہ داری اور ضبط نفس کا تعلق نمایاں ہے؛ اس کے باوجود صبر کا مفہوم انسانی استعداد اور عملی استقامت سے منقطع نہیں ہوتا۔ اس کے لغوی اور دینی پہلو ایک دوسرے کو سمجھانے میں مدد دیتے ہیں۔

لغوی اشتقاق کے باب میں بھی احتیاط ضروری ہے۔ کسی مادے کے حروف مشترک ہونے سے اس کی تمام مشتقات کے ہر معنی کو ایک دوسرے میں منتقل نہیں کیا جاسکتا۔ مادہ معنوی تعلق کا اشارہ دے سکتا ہے، لیکن مستعمل لفظ کی پہچان حقیقی استعمال سے ہوگی۔ اگر کسی مشتق میں قدیم حسی معنی محفوظ ہو اور دوسرے میں اخلاقی مفہوم غالب ہو جائے، تو دونوں کی نسبت بیان کی جاسکتی ہے؛ یہ نسبت ان کی یکسانیت ثابت نہیں کرتی۔ اسی طرح کسی لغت کی توضیح کو اس لفظ کے اولین تاریخی استعمال کی شہادت سمجھنا بھی درست نہیں، جب تک مجمع نگار کا مستند اور قابل تعین قدیم شاہد سامنے نہ ہو۔

قرآنی تصور کی تشکیل کا ایک اہم پہلو الفاظ کے باہمی تعلق سے پیدا ہوتا ہے۔ صبر جب نماز، تقویٰ، توکل اور اجر کے ساتھ آتا ہے تو اس کا اخلاقی مقام واضح ہوتا ہے۔ امت جب وسطیت، شہادت اور معروف کی دعوت سے متعلق ہوتی ہے تو اجتماعی شناخت کے ساتھ اجتماعی ذمہ داری بھی سامنے آتی ہے۔ یہاں لفظ کا بنیادی مفہوم باقی رہتے ہوئے اس کا دینی تعلق زیادہ واضح ہو سکتا ہے۔ اس نوعیت کی تشکیل کو معنی کے مکمل انقطاع یا لغوی انقلاب کی زبان میں بیان کرنا غیر ضروری مبالغہ ہو گا۔

لغوی و اصطلاحی تشکیل کی تحقیق میں تعریف کی سطح بھی متعین رہنی چاہیے۔ ایک مختصر تعریف ابتدائی تدریس کے لیے مناسب ہو سکتی ہے، جب کہ تحقیقی تعریف کو متعلقہ اختلافات اور استعمالات کی گنجائش دکھانا ہوگی۔ اگر ابتدائی تعریف کو ہی ہر مقام کا فیصلہ کن معیار بنالیا جائے تو غیر متوقع آیات کو اس کے مطابق بدلنے کا رجحان پیدا ہو گا۔ اس کے برعکس ہر نئی مثال کے ساتھ تعریف تبدیل کرتے رہنے سے کوئی مشترک تصور باقی نہیں رہتا۔ متوازن طریقہ یہ ہے کہ بنیادی تعلق واضح کیا جائے اور اس کے بعد استعمالات کی الگ جہتیں بیان ہوں۔

قرآنی اصطلاح اور مفسر کی اصطلاح کے درمیان فرق بھی لازم ہے۔ مفسر کسی قرآنی استعمال کی توضیح کے لیے بیان، توفیق یا مصداق جیسی فنی تعبیر اختیار کر سکتا ہے۔ یہ تعبیر قرآنی لفظ کی تشریح ہے، خود قرآن کا لفظ نہیں۔ اس فرق سے مفسر کی خدمت کم نہیں ہوتی؛ بلکہ اس کے علمی کام کا درست محل معلوم ہوتا

ہے۔ علمی زبان اپنے موضوع کو سمجھانے کے لیے اصطلاحات بناتی ہے، لیکن ان اصطلاحات کو اصل متن کے ساتھ خلط کر دینے سے تاریخ تصور کی تحقیق غیر منضبط ہو جاتی ہے۔

کسی لفظ کے دینی عرف میں غالب ہو جانے کا مسئلہ بھی الگ تحقیق چاہتا ہے۔ آج امت کا لفظ سن کر مسلم جماعت کا تصور فوری طور پر سامنے آسکتا ہے، مگر یہ موجودہ مذہبی استعمال کی غلبہ یافتہ صورت ہے۔ قرآن کے ہر مقام میں اسی فوری تصور کو مراد لینا صحیح نہیں۔ معروف استعمال قاری کے فہم میں مدد بھی دیتا ہے اور بعض اوقات اسے محدود بھی کرتا ہے۔ محقق کا کام اپنی زبان کی عادت کو شناخت کرنا اور اسے اصل خطاب کی شہادت کے سامنے جانچنا ہے۔ اس بحث کا حاصل یہ ہے کہ قرآنی اصطلاح کی تحقیق میں لغت اور اصطلاح کے درمیان سادہ دوئی کافی نہیں۔ بعض مقامات پر عام معنی، بعض میں مخصوص دینی استعمال، اور بعض میں مختلف الفاظ سے بننے والا مربوط تصور سامنے آتا ہے۔ ہر صورت کو اس کی شہادت کے مطابق نام دینا چاہیے۔ اس سے قرآنی الفاظ کی گہرائی بھی واضح ہوتی ہے اور ان پر غیر ثابت تاریخی دعوے مسلط کرنے سے بھی حفاظت ہوتی ہے۔

۲۔ تفسیر اور زبان کے باہمی تعلق کا منہجی جائزہ

تفسیر کا مقصد قرآن کی مراد کو سمجھنا اور بیان کرنا ہے؛ زبان اس مقصد تک پہنچنے کا بنیادی وسیلہ ہے۔ دونوں کے تعلق میں ایک طرف لغت، صرف، نحو اور بلاغت کا کردار ہے، دوسری طرف قرآن کے دوسرے مقامات، نبوی بیان اور معتبر منقول توضیحات کا۔ لسانی تجزیہ یہ بتاتا ہے کہ ترکیب کن معانی کی گنجائش رکھتی ہے؛ تفسیری استدلال یہ جانچتا ہے کہ مخصوص خطاب میں کون سا معنی زیادہ موزوں اور مدلل ہے۔ اس لیے صرف زبان کی بنیاد پر ہر امکان کو مراد قرار دینا، یا زبان کی شہادت کو یکسر نظر انداز کرنا، دونوں منہجی کمزوریاں ہیں۔

﴿وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لَتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ﴾^۴

ترجمہ: اور ہم نے آپ کی طرف یہ ذکر نازل کیا تاکہ آپ لوگوں کے لیے اس چیز کو واضح کر دیں جو ان کی طرف نازل کی گئی ہے، اور تاکہ وہ غور کریں۔

﴿الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُمْ بِظُلْمٍ أُولَٰئِكَ لَهُمُ الْأَمْنُ وَهُمْ مُهْتَدُونَ﴾^۵

ترجمہ: جو لوگ ایمان لائے اور اپنے ایمان کو ظلم کے ساتھ خلط نہیں کیا، انہی کے لیے امن ہے اور وہی ہدایت یافتہ ہیں۔

﴿إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ﴾^۶

ترجمہ: بے شک شرک بہت بڑا ظلم ہے۔

ان آیات کے باہمی مطالعے سے ایک اصول واضح ہوتا ہے: لفظ کا عمومی مفہوم اور کسی خاص مقام کی مراد ایک ہی سطح کے امور نہیں۔ ظلم لغوی اور اخلاقی لحاظ سے وسیع مفہوم رکھتا ہے، لیکن ایمان کے ساتھ اس کی آمیزش والی آیت کی توضیح میں شرک کا تعلق فیصلہ کن ہے۔ ابن کثیر اس مقام پر نبوی توضیح نقل کرتے ہیں کہ متعلقہ ظلم شرک ہے۔^۷ یہاں اس توضیح کو ظلم کے تمام دوسرے استعمالات کے خاتمے کا اعلان قرار نہیں دیا جاسکتا۔ یہ متعلقہ آیت کی مراد کی تعیین ہے۔

تفسیر اور زبان کے تعلق کو سمجھنے کے لیے شواہد کی نوعیت میں امتیاز ضروری ہے۔ ایک لغوی شاہد کسی معنی کے عربی ہونے کو ثابت کر سکتا ہے؛ آیت کے اندر نحوی تعلق اس معنی کے قابل اطلاق ہونے کو ظاہر کر سکتا ہے؛ سابق و لاحق عبارت اس کے مناسب ہونے کی تائید کر سکتی ہے؛ اور معتبر نبوی بیان اس کی

تعیین میں مزید وزن رکھتا ہے۔ ان تمام امور کو ایک ہی نام کے تحت جمع کرنے سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ نتیجہ کس دلیل پر قائم ہے۔ محقق کو اپنے استدلال میں ہر شہادت کا کردار واضح کرنا چاہیے۔

مثلاً قریہ کی طرف سوال کا حکم دیکھ کر نحوی تحلیل اہل کے حذف کا احتمال ظاہر کرتی ہے۔ دوسری لغوی توضیح کے مطابق قریہ خود لوگوں پر بھی بولا جاسکتا ہے۔ دونوں راستوں کا عملی حاصل اہل آبادی سے دریافت کرنا ہے۔ اس مقام پر لفظ کی دلالت کے تجزیے میں اختلاف ہے، لیکن سوال کے انسانی متعلق میں اختلاف نہیں۔ اس مثال سے معلوم ہوتا ہے کہ تفسیری اقوال کا تقابل صرف ان کے مختلف الفاظ شمار کرنے سے نہیں ہوگا؛ یہ بھی دیکھا جائے گا کہ وہ ایک ہی مراد تک پہنچتے ہیں یا مختلف مرادیں قائم کرتے ہیں۔

لسانی تحقیق کا ایک دوسرا پہلو نظم اور ربط ہے۔ کسی لفظ کو آیت سے نکال کر اس کی لغوی تعریف لکھ دینا اس کے مفہوم کا مکمل بیان نہیں۔ فاعل، مفعول، حرفِ جر، صفت، ضمیر اور متعلقہ فعل معنی کی سمت بدل سکتے ہیں۔ ہدایت کا لفظ جہاں اللہ تعالیٰ کے فعل کی خبر ہے، وہاں بحث کی نوعیت ایک ہو سکتی ہے؛ جہاں رسول کی دعوت کا بیان ہے، وہاں دوسری؛ اور جہاں بندے کی دعا ہے، وہاں تیسری۔ لفظ مشترک ہونے کے باوجود کلام کے تعلقات الگ ہیں، اور یہی تعلقات تفسیر میں ملحوظ رہتے ہیں۔

اس تعلق میں علمی ضبط کا مطلب یہ بھی ہے کہ مفسر کی مذہبی یا اصولی ترجیح کو لغوی ضرورت کے طور پر پیش نہ کیا جائے۔ کوئی مفسر کسی معنی کو اپنے اعتقادی تصور کے مطابق ترجیح دے سکتا ہے، لیکن اس ترجیح کی جانچ متعلقہ دلیل سے ہوگی۔ اس کے برعکس ہر اعتقادی توضیح کو صرف پہلے سے قائم نظریے کا عکس کہہ کر رد کرنا بھی منصفانہ نہیں؛ کبھی وہ قرآن کے مختلف بیانات میں موافقت پیدا کرنے کی کوشش ہوتی ہے۔ تحقیق کو دلیل کے اصل محل تک پہنچانا ہوگا۔

ترجمے کے میدان میں یہ امتیاز خاص اہمیت رکھتا ہے۔ اگر ہر جگہ امت کا ترجمہ قوم کر دیا جائے تو مدت، طریقہ اور پیشوائی کے استعمالات چھپ جائیں گے۔ اگر ہر جگہ قریہ کا ترجمہ گاؤں ہو تو بڑی آبادیاں اور اہل آبادی کی دلالت محدود ہو جائے گی۔ مترجم کو لفظی یکسانیت اور معنوی صحت میں ترجیح کا فیصلہ سیاق کے مطابق کرنا پڑتا ہے۔ مناسب مترادف کا بدلنا قرآن کے لفظ میں تبدیلی کا ثبوت نہیں، بلکہ دوسری زبان کی تعبیری ضرورت بھی ہو سکتا ہے۔

اس منہج میں دلیلوں کی ترتیب کو بھی ان کی نوعیت کے ساتھ سمجھنا چاہیے۔ پہلے لفظ کی شکل اور ترکیب پہچانی جائے، پھر فوری سیاق، پھر متعلقہ قرآنی استعمالات اور منقول توضیح دیکھی جائے۔ یہ ترتیب تحقیق کی عملی سہولت کے لیے ہے؛ اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہر مقام پر تمام شواہد کی قوت یکساں یا ان کی ترجیح پہلے سے طے ہے۔ جہاں معتبر بیان مراد واضح کرتا ہو وہاں لغوی امکانات کی غیر ضروری کثرت فائدہ نہیں دیتی۔ جہاں کئی احتمالات واقعی باقی ہوں وہاں تحقیق کو ان کے درمیان فرق اور اپنے نتیجے کی حد واضح رکھنی چاہیے۔

نقل اور استدلال کو ایک دوسرے کا بدل سمجھنا بھی مناسب نہیں۔ منقول قول اگر صحیح طور پر محفوظ ہو تو وہ فہم کی اہم شہادت ہو سکتا ہے؛ لیکن اس میں بھی قول کی نوعیت اور متعلقہ مقام دیکھنا ہوگا۔ استدلال اگر قواعد کے مطابق ہو تو وہ نقل کی توضیح اور اقوال کے تقابل میں مدد دے سکتا ہے۔ صرف کسی عبارت کو نقل کر دینا اس کے ہر ممکن فہم کی صحت نہیں ثابت کرتا، اور صرف ایک ذہنی مناسبت بیان کرنا کسی منقول توضیح کو رد کرنے کے لیے کافی نہیں۔

اس کے علاوہ ہر اعتراض کا جواب لغت سے نہیں ملے گا۔ کبھی اشکال متعلقہ عقیدے، عمل یا تاریخی واقعے کا ہوتا ہے، جسے لغوی تعریف سے حل نہیں کیا جاسکتا۔ محقق پہلے سوال کی صحیح نوعیت پہچانے۔ اگر سوال یہ ہے کہ ہدایت کے باوجود انکار کیسے ہوا، تو رہنمائی اور قبول کے فرق پر توجہ ہوگی۔ اگر سوال کسی لفظ کے عربی ہونے کا ہے تو لسانی استعمال درکار ہوگا۔ صحیح سوال کی تعیین صحیح دلیل تک پہنچنے کا پہلا قدم ہے۔

لہذا تفسیر اور زبان کا تعلق معاونت اور تصحیح کا تعلق ہے۔ زبان معنی کے امکانات کو منضبط کرتی ہے، اور تفسیری شہادت متعلقہ مراد کو واضح کرتی ہے۔ تحقیقی معیار اسی وقت قائم ہوتا ہے جب کسی نتیجے کے پیچھے لغوی امکان، سیاقی قرینہ اور منقول توضیح کی قوت الگ الگ معلوم ہو۔ ایسی قراءت لفظ کے احترام کے ساتھ اس کے استعمال کی باریکی بھی محفوظ رکھتی ہے۔

س۔ معنوی ارتقاء کے اصول اور ضوابط

معنوی ارتقاء کا دعویٰ محض اس مشاہدے سے ثابت نہیں ہوتا کہ ایک لفظ کے کئی معنی ہیں۔ تاریخی تبدیلی کے لیے پہلے اور بعد کے قابلِ تعین استعمالات، ان کے درمیان معنوی تعلق، اور تبدیلی کے دائرے کی نشان دہی درکار ہے۔ اس کے مقابلے میں ایک ہی متن میں مختلف سیاقوں کے تحت معنی کا تنوع ہم زمانی مطالعے کا موضوع ہے۔ قرآن میں الفاظ کی دلالت پر تحقیق دونوں نوعیتوں سے فائدہ اٹھا سکتی ہے، لیکن انہیں خلط نہیں کر سکتی۔ جس مقام پر تاریخ استعمال ثابت نہ ہو، وہاں تنوع، وسعت یا توضیح کی تعبیر زیادہ محتاط ہے۔

(أَفَلَا يَتَذَكَّرُونَ الْفُرْقَانَ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا)⁸

ترجمہ: کیا وہ قرآن میں غور نہیں کرتے؟ اگر یہ اللہ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو اس میں بہت سا اختلاف پاتے۔

(هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ آيَاتٌ مُحْكَمَاتٌ هُنَّ أُمُّ الْكِتَابِ وَأُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ)⁹

ترجمہ: وہی ہے جس نے آپ پر کتاب نازل کی؛ اس میں بعض آیات واضح اور فیصلہ کن ہیں، وہ کتاب کی اصل بنیاد ہیں، اور دوسری

متشابہ ہیں۔

یہ آیات تذبذب، ربط اور بیان کی مختلف نوعیتوں کی طرف توجہ دلاتی ہیں۔ ان سے جدید لسانی تحقیق کے تمام جزوی قواعد براہِ راست اخذ کرنا مقصود نہیں، لیکن یہ ضرور واضح ہوتا ہے کہ متن کو جزوی اور بے ربط انداز میں پڑھنا کافی نہیں۔ کسی لفظ کے مفہوم کی تحقیق میں قرآن کے دوسرے مقامات اور زیادہ واضح بیانات کو سامنے رکھنا ضروری ہے۔ تاہم یہ باہمی مطالعہ ہر مقام کے سیاق کو ختم نہ کر دے؛ مربوط قراءت کا مطلب تمام استعمالات کو ایک ہی مختصر مترادف میں سمیٹ دینا نہیں۔

شاطبی زبانِ خطاب کے عرف کی رعایت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"إِنَّ كَانَ لِلْعَرَبِ فِي لِسَانِهِمْ عُرْفٌ مُسْتَمَرٌّ، فَلَا يَصِحُّ الْعُدُولُ عَنْهُ فِي فَهْمِ الشَّرِيعَةِ."¹⁰

ترجمہ: اگر عربوں کی زبان میں کوئی مسلسل معروف عرف موجود ہو تو شریعت کو سمجھنے میں اس سے عدول درست نہیں۔

اس اصول کے تحت معاصر زبان کا مفہوم قدیم خطاب پر بلا دلیل منطبق نہیں کیا جاسکتا۔ آج شہر اور گاؤں کی انتظامی تقسیم جس معنی میں استعمال ہوتی ہے، وہ لازماً قرآن کے قرینہ اور مدینہ کے باہمی فرق کے مساوی نہیں۔ اسی طرح موجودہ سیاسی قومیت کا تصور امت کے تمام قرآنی استعمالات کا معیار نہیں بن سکتا۔ جدید اصطلاحات سے استفادہ ممکن ہے، مگر وہ تحقیق کا سوال پیدا کریں، قدیم متن کے معنی کا پیشگی فیصلہ نہ کریں۔

معنوی تحقیق کا پہلا ضابطہ استقراء ہے۔ متعلقہ لفظ کے صرف وہ مقامات جمع نہ کیے جائیں جو محقق کی ابتدائی رائے کی تائید کرتے ہیں۔ ایسے استعمالات بھی دیکھے جائیں جو اس رائے کو محدود یا پیچیدہ بناتے ہیں۔ اگر امت کے صرف اجتماعی مقامات پیش ہوں تو ایک شخص اور مدت کے استعمالات او جھل رہیں گے؛

اگر ہدایت کے صرف قبولِ ایمان والے مقامات لیے جائیں تو عمومی رہنمائی اور دعوت کی جہت سامنے نہیں آئے گی۔ مکمل استغناء کے بغیر کسی لفظ کے جامع مفہوم کا دعویٰ کمزور رہتا ہے۔

دوسرا ضابطہ معنی، مصداق اور لازم کا فرق ہے۔ قریہ کا کسی مقام پر مصریامکہ ہونا مصداق کی تعیین ہے؛ اس سے قریہ کی لغوی تعریف مصریامکہ نہیں ہو جاتی۔ صبر کا کسی موقع پر اجر کا سبب ہونا اس کی قدر اور نتیجہ ہے؛ اجر صبر کا لغوی مترادف نہیں۔ ہدایت کے ذریعے سکون حاصل ہونا ممکن ہے، لیکن سکون کو ہر استعمال میں ہدایت کا اصل معنی نہیں کہا جاسکتا۔ اس فرق سے تحقیق میں غیر ضروری معانی کی تعداد بڑھنے سے بچا جاسکتا ہے۔

تیسرا ضابطہ اختلاف کی نوعیت متعین کرنا ہے۔ بعض توضیحات ایک دوسرے کی تکمیل کرتی ہیں؛ بعض ایک عام مفہوم کی مثالیں ہیں؛ اور بعض واقعی متعارض ہوتی ہیں۔ اگر ایک مفسر صبر کو اطاعت پر استقامت اور دوسرا مصیبت میں ضبط قرار دے، تو ان کے اقوال کا تعلق آیت کے سیاق اور عمومی مفہوم سے معلوم ہوگا۔ ممکن ہے دونوں ایک وسیع اخلاقی وصف کے مختلف مصداق بیان کر رہے ہوں۔ تاہم اگر کسی خاص آیت میں ایک قول مدت اور دوسرا جماعت مراد لے، تو سیاق کی روشنی میں واقعی ترجیح درکار ہوگی۔

چوتھا ضابطہ تاریخی ثبوت کا ہے۔ کسی متاخر کتاب میں مفصل تعریف کی موجودگی اس تعریف کے تمام اجزاء کے متاخر ہونے کی دلیل نہیں۔ وہ پہلے سے موجود استعمال کو جمع کر رہی ہو سکتی ہے۔ اسی طرح کسی قدیم کتاب میں ایک معنی کا ذکر نہ ہونا اس زمانے میں اس معنی کے ناموجود ہونے کا قطعی ثبوت نہیں؛ کتاب کا موضوع، اختصار اور دستیاب مواد بھی وجہ ہو سکتا ہے۔ وجود کی مثبت شہادت اور عدم ذکر کی منفی شہادت کی قوت یکساں نہیں۔

پانچواں ضابطہ تعبیر نتیجہ میں احتیاط ہے۔ اگر شواہد صرف سیاقی تنوع ثابت کرتے ہیں تو نتیجے میں تاریخی ارتقاء کا لفظ فیصلہ کن انداز میں نہ آئے۔ اگر قرآنی خطاب کسی معروف لفظ کو نئے اخلاقی تعلقات میں منظم کرتا ہے تو اسے تصوراتی تشکیل کہا جاسکتا ہے۔ اگر متاخر مفسر پہلے سے موجود فرق کی زیادہ واضح درجہ بندی کرتا ہے تو اسے توضیحی تنظیم کہا جائے۔ ان ناموں کی صحت سے تحقیق کا دعویٰ قابلِ جانچ بنتا ہے۔

تحقیقی مواد کو محفوظ کرتے وقت ہر مقام کے لیے چند الگ اندراجات مفید ہوں گے: لفظ کی صورت، آیت کی ترکیب، فوری سیاق، ممکنہ معنی، مفسر کی توضیح، اس کی دلیل اور محقق کی اپنی ترجیح۔ یہ اندراجات فنی تفصیل بڑھانے کے لیے نہیں، بلکہ دعوے اور شہادت کے تعلق کو قابلِ جانچ بنانے کے لیے ہیں۔ بعد میں جب نتیجہ لکھا جائے تو معلوم ہو سکے گا کہ کسی معنی کی بنیاد ایک لغوی امکان ہے یا متعدد شواہد کی مشترک تائید۔

اس طریقے میں مخالف شہادت کو باقاعدہ جگہ ملنی چاہیے۔ اگر قریہ کے متعلق کسی عمومی ضابطے کی تجویز ہو تو وہ مقامات بھی پیش ہوں جو اس کی حد واضح کرتے ہیں۔ اگر امت کو صرف مذہبی جماعت کہا گیا ہو تو مدت اور شخصی وصف کے استعمالات کا جواب دیا جائے۔ تحقیق کی قوت اس بات میں نہیں کہ مخالف مثالیں نظر نہ آئیں، بلکہ اس بات میں ہے کہ نظریہ انہیں درست طور پر سمجھا سکے یا ان کی وجہ سے اپنے دعوے کی اصلاح کرے۔

نتائج کی زبان میں امکان، ترجیح اور قطعیت کے درجات محفوظ رکھنا بھی ضروری ہے۔ جہاں صرف ایک معقول مناسبت ہو وہاں غالب امکان یا مناسب توضیح کی تعبیر ہوگی۔ جہاں سیاق اور استعمال متحد ہوں وہاں ترجیح مضبوط ہو سکتی ہے۔ قطعی دعوے کے لیے دلیل کی اسی درجے کی قوت درکار ہے۔ ان درجات کو الگ رکھنے سے مضمون کمزور نہیں ہوتا؛ اس کے برعکس قاری کو معلوم ہوتا ہے کہ کون سا نتیجہ کس حد تک ثابت ہے اور مزید تحقیق کہاں ضروری ہے۔

ان ضوابط کا خلاصہ یہ ہے کہ قرآنی دلالت کا مطالعہ زیادہ معانی جمع کرنے کی مشق نہیں، بلکہ شواہد کی قوت کے مطابق مراد متعین کرنے کا عمل ہے۔ تاریخی دعوے کے لیے تاریخ، سیاقی دعوے کے لیے سیاق، اور تفسیری نسبت کے لیے اصل عبارت لازم ہے۔ اس ترتیب سے معنی کی وسعت اپنی جگہ قائم رہتی ہے، مگر تحقیق غیر محدود تعبیر سے محفوظ ہو جاتی ہے۔

۴۔ قرآنی اصطلاحات کے معانی میں تبدیلی کے اسباب

قرآنی اصطلاحات کے معانی میں تبدیلی کے اسباب کا عنوان دو الگ صورتوں کو شامل کر سکتا ہے: لفظ کے استعمال میں تاریخی تبدیلی، اور اس کے قرآنی مفہوم کی توضیح میں اختلاف۔ پہلی صورت کا تعلق زبان کی تاریخ سے ہے؛ دوسری کا تعلق تفسیر، سیاق اور علمی ترجیحات سے ہے۔ یہاں اصل توجہ ان اسباب پر ہے جن سے معنی مختلف دکھائی دیتے ہیں، اور پھر یہ جانچنا ہے کہ ان میں سے کون سا سبب واقعی تبدیلی ثابت کرتا ہے۔ اس فرق کے بغیر ہر نئی تشریح لفظ کی تبدیلی بن جائے گی، جب کہ بعض تشریحات صرف پرانی دلالت کی زیادہ واضح تعبیر ہوتی ہیں۔

(وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا بِلِسَانٍ قَوْمِهِ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ)¹¹

ترجمہ: اور ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اس کی قوم کی زبان میں، تاکہ وہ ان کے لیے واضح کر دے۔

(وَاسْأَلِ الْقَرْيَةَ الَّتِي كُنَّا فِيهَا وَالْعَيْرَ الَّتِي أَقْبَلْنَا فِيهَا وَإِنَّا لَصَادِقُونَ)¹²

ترجمہ: اور اس بستی سے پوچھ لیجئے جس میں ہم تھے، اور اس قافلے سے بھی جس کے ساتھ ہم آئے ہیں؛ بے شک ہم سچے ہیں۔

(وَقَالَ الَّذِي نَجَا مِنْهُمَا وَادَّكَرَ بَعْدَ أُمَّةٍ أَنَا أُنَبِّئُكُمْ بِتَأْوِيلِهِ فَأَرْسِلُونِ)¹³

ترجمہ: اور ان دونوں میں سے جو بچ گیا تھا اور ایک مدت کے بعد اسے یاد آیا، اس نے کہا: میں تمہیں اس کی تعبیر بتاتا ہوں، سو مجھے بھیج دو۔

دو۔

پہلی آیت فہم کے لیے زبان مخاطب کی رعایت واضح کرتی ہے۔ دوسری آیت میں سوال کے فعل اور قافلے کی قرینے سے اہل آبادی کی طرف توجہ ہوتی ہے۔ تیسری میں یاد آنے اور بعد کا زمانی تعلق امت کے مفہوم کو مدت کی طرف لے جاتا ہے۔ ان مثالوں میں مختلف دلائل موجود ہیں، لیکن صرف ان کے وجود سے کسی زمانی سلسلے میں پہلے معنی کے دوسرے معنی میں تبدیل ہونے کا نتیجہ نہیں نکلتا۔ یہ استعمال ایک ہی زبان کے معنوی وسائل کو مختلف مقامات پر فعال کرتے ہیں۔

تفسیری اختلاف کا ایک سبب متعدد لغوی امکانات ہیں۔ اگر کسی لفظ کے ایک سے زیادہ معارف استعمال ہوں تو مفسران میں سے کسی ایک کو ترجیح دے سکتا ہے۔ ترجیح کا معیار صرف لغت کی فہرست نہیں، بلکہ ترکیب اور موضوع بھی ہوں گے۔ یوسف کی مذکورہ آیت میں امت کو اجتماعی جماعت کے معنی میں لینے سے یاد آنے کے زمانی بیان کی مناسبت متاثر ہوگی، جب کہ مدت کی دلالت اس کے ساتھ براہ راست مربوط ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ لفظ کی عمومی معروفیت کسی خاص استعمال میں فیصلہ کن نہیں ہوتی۔

دوسرا سبب حذف، مجاز یا دلالت ترکیب کی مختلف تحلیل ہے۔ قریہ سے اہل قریہ مراد لینے میں بعض مفسرین حذف مضاف بیان کرتے ہیں اور بعض لفظ کی انسانی دلالت کو کافی سمجھتے ہیں۔ یہاں اختلاف معنی کی منزل سے زیادہ اس تک پہنچنے کے لسانی راستے کا ہے۔ اگر محقق دونوں اقوال کو دو بالکل مختلف قرآنی معانی شمار کرے تو اس کی درجہ بندی گمراہ کن ہوگی۔ اختلاف کی حقیقی حد معلوم کرنے کے لیے نتیجہ اور استدلال الگ دیکھنا ضروری ہے۔

تیسرا سبب منقول مواد اور اس کی ترجیح ہے۔ ایک مفسر کسی صحابی یا تابعی کی توضیح کو اہم سمجھے، دوسرا سیاقی قرینے کو زیادہ نمایاں کرے، اور تیسرا دونوں کو جمع کرے، تو ان کی عبارتیں مختلف ہو سکتی ہیں۔ اس اختلاف سے فوراً یہ ثابت نہیں ہوتا کہ زبان کا معنی بدل گیا۔ پہلے یہ دیکھا جائے گا کہ روایت میں لغوی تعریف بیان ہوئی ہے، واقعے کی تعیین ہوئی ہے یا عملی مثال۔ ہر منقول قول یکساں نوعیت کی معنوی شہادت نہیں۔

چوتھا سبب علمی مسئلے کی تبدیلی ہے۔ قدیم مفسر کسی لفظ کا فوری مترادف بیان کر سکتا ہے؛ بعد کا مفسر اسی مقام پر اعتقادی اعتراض، نحوی اشکال یا معاشرتی سوال کا جواب دے سکتا ہے۔ جواب کے پھیلنے سے عبارت میں نئے اجزا شامل ہوتے ہیں، لیکن ضروری نہیں کہ لفظ کی مراد بدل گئی ہو۔ خاص طور پر ہدایت کے باب میں اس کی نسبت اللہ اور رسول دونوں کی طرف آنے سے توضیحی تقسیم کی ضرورت پیدا ہوتی ہے۔ یہ تقسیم متعلقہ آیات کے فرق کو سمجھانے کا وسیلہ ہے، نہ لازماً لفظ میں تاریخی تبدیلی کی شہادت۔

پانچواں سبب ترجمے اور عرف کا فرق ہے۔ عربی کے ایک لفظ کے لیے دوسری زبان میں مختلف مترادفات درکار ہو سکتے ہیں۔ مترجم کا انتخاب دلالت کی توضیح ہے، عربی لفظ کی تاریخ کا ثبوت نہیں۔ اس کے ساتھ جدید عرف بعض الفاظ کو محدود مفہوم میں مقبول بنادیتا ہے، جیسے امت کو صرف مسلم ملت، یا صبر کو صرف خاموش برداشت سمجھنا۔ اگر اسی عرف کو قرآن پر منطبق کر دیا جائے تو بعض استعمالات غیر متوقع محسوس ہوں گے۔ یہ غیر متوقع پن قاری کی عادت سے پیدا ہو سکتا ہے، متن کے اندر تبدیلی سے نہیں۔

چھٹا سبب معاصر اطلاق ہے۔ دینی تعلیم، دعوت، اجتماعی تنظیم اور نفسی تربیت میں قرآنی اصطلاحات نئے مسائل پر منطبق کی جاتی ہیں۔ ایسے اطلاقات مفید ہو سکتے ہیں، مگر ان کی علمی حیثیت واضح ہونی چاہیے۔ صبر کی تعلیم کو تعلیمی محنت یا علاج کے دوران حوصلے سے مربوط کرنا اطلاق ہے؛ یہ دعویٰ کہ لفظ کا اصل معنی جدید نفسیاتی تصور ہی ہے، الگ اور زیادہ مضبوط شہادت کا محتاج ہو گا۔

معنی کے اختلاف میں قاری کا سوال بھی کردار ادا کرتا ہے۔ ایک قاری لفظ کا فوری ترجمہ چاہتا ہے، دوسرا اس کی بلاغی مناسبت اور تیسرا اس سے متعلق اجتماعی حکم۔ ان سوالوں کے جواب مختلف انداز سے دیے جائیں گے۔ اگر جوابات کی نوعیت پہچانے بغیر انہیں ایک فہرست میں رکھ دیا جائے تو ایسا دکھائی دے گا کہ لفظ کے کئی نئے معنی بن گئے ہیں، حالاں کہ کچھ جواب لفظ کی تعریف، کچھ اس کی تاثیر اور کچھ اس کے اطلاق سے متعلق ہوتے ہیں۔

علمی ذخیرے کے منتقل ہونے کا مسئلہ بھی اہم ہے۔ بعد کی تفسیر پہلے مصادر سے مواد لے سکتی ہے اور اسے نئے سیاق میں منظم کر سکتی ہے۔ اگر صرف بعد کی کتاب کا حوالہ دیکھا جائے تو قدیم معنی متاخر معلوم ہو گا۔ اس لیے تاریخی تحقیق میں قول کے اصل ماخذ تک پہنچنے کی کوشش ضروری ہے۔ تاہم اصل ماخذ کی نسبت بھی اسی حد تک بیان کی جائے جس حد تک وہ واقعی دستیاب اور قابل اعتماد ہو۔ صرف مشابہ عبارت سے براہ راست اخذ کا فیصلہ نہیں کیا جاسکتا۔

معنوی تبدیلی کے اسباب پر کسی عمومی لسانی نظریے کا اطلاق بھی محتاط ہونا چاہیے۔ زبانوں میں تخصیص، تعلیم اور مجازی استعمال جیسے مظاہر معروف ہو سکتے ہیں، لیکن ہر قرآنی مثال پہلے ہی ان میں سے کسی ایک کی قطعی مثال نہیں بن جاتی۔ نظریہ سوالات منظم کر سکتا ہے؛ متعلقہ متن اور شواہد اس کی تصدیق یا تردید کریں گے۔ اس ترتیب سے تحقیق اپنا مواد نظریے کے لیے منتخب نہیں کرتی، بلکہ نظریے کو مواد کے سامنے آزماتی ہے۔

اس بحث سے تبدیلی کے عنوان کی تحقیقی تحدید سامنے آتی ہے۔ اختلاف لغت، اختلاف سیاق، اختلاف تحلیل اور اختلاف اطلاق کو تاریخی تبدیلی کا ایک نام نہیں دیا جاسکتا۔ ہر سبب اپنی نوعیت کے مطابق جانچا جائے تو قرآنی اصطلاحات کی معنوی وسعت زیادہ درست صورت میں سامنے آتی ہے۔ تحقیق کا معتبر نتیجہ وہ ہے جو فرق کو چھپائے نہیں اور اشتراک کو غیر ضروری طور پر اختلاف میں بھی نہ بدلے۔

مبحث دوم: تفسیری مکاتب فکر میں قرآنی اصطلاحات کی تشریح
تفسیری روایت میں کسی اصطلاح کی توضیح ہمیشہ ایک ہی طریقے سے نہیں کی گئی۔ کبھی مفسر منقول اقوال جمع کرتا ہے، کبھی عربی استعمال سے استدلال کرتا ہے، کبھی نحوی ترکیب اور بلاغی مناسبت پر توجہ دیتا ہے، اور کبھی متعلقہ آیات کو جمع کر کے ایک موضوع کا عمومی نقشہ بناتا ہے۔ ان طریقوں کا باہمی تعلق محض تقسیم کا نہیں؛ ایک ہی تفسیر میں ان میں سے کئی طریقے یکجا ہو سکتے ہیں۔ اس لیے تفسیری مکاتب کے ناموں کو ایسی بند حدیں نہیں سمجھنا چاہیے جن کے اندر ہر مفسر یکساں انداز سے کام کرتا ہو۔

اس بحث میں متقدم اور متاخر کی تقسیم زمانی ترتیب سمجھنے کے لیے استعمال ہوگی، کسی ایک دور کی تمام تفاسیر کے لیے ایک ہی منہج ثابت کرنے کے لیے نہیں۔ متقدم تفاسیر میں بھی عقلی ترجیح اور لسانی تحقیق ہو سکتی ہے، اور متاخر تفاسیر میں بھی منقول مواد بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ منتخب تقابلی کا مقصد یہ جانچنا ہے کہ مفسر کا سوال، اس کی دلیل اور اس کی توضیح کس طرح اصطلاح کی دلالت کو نمایاں کرتے ہیں۔ یہاں جامع تاریخ تفسیر لکھنا مقصود نہیں؛ چند بنیادی مصادر کی مدد سے معنوی مطالعے کے لیے قابل استعمال اصول اخذ کرنا مقصود ہے۔ اس طرح زمانی تقسیم، منہجی تجزیہ اور متعلقہ لفظ کی تحقیق ایک دوسرے کے معاون رہیں گے۔

۱۔ مفسرین متقدمین کے مناجات اور اصطلاحات

متقدم تفسیری ذخیرے میں الفاظ کی توضیح کے لیے مختصر مترادفات، واقعات کی نشان دہی، منقول اقوال اور عربی ترکیب کی تحلیل ایک ساتھ ملتی ہے۔ ان میں سے کسی ایک صورت کو تمام قدیم تفسیر کا نمائندہ سمجھنا درست نہیں۔ طبری کے منتخب مقامات میں نقل کے بعد توضیح اور ترجیح بھی سامنے آتی ہے۔ ان کا مطالعہ کرتے ہوئے یہ دیکھنا ضروری ہے کہ منقول قول کسی لفظ کا معنی بتاتا ہے، کسی خاص فرد یا جگہ کی نشان دہی کرتا ہے، یا آیت میں مراد کی مثال فراہم کرتا ہے۔ یہ فرق قدیم تفسیری اقوال کو درست طور پر استعمال کرنے کی بنیاد ہے۔

(وَاسْأَلِ الْقَرْيَةَ الَّتِي كُنَّا فِيهَا)¹⁴

ترجمہ: اور اس بستی سے پوچھ لیجیے جس میں ہم تھے۔

طبری اس کی توضیح میں کہتے ہیں:

"سَلَّ مَنْ فِيهَا مِنْ أَهْلِهَا."¹⁵

ترجمہ: اس میں رہنے والے لوگوں سے پوچھو۔

(إِنَّ إِبْرَاهِيمَ كَانَ أُمَّةً قَانِتًا لِلَّهِ حَنِيفًا وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِينَ)¹⁶

ترجمہ: بے شک ابراہیم ایک پیشوا تھے، اللہ کے فرمان بردار اور یکسو، اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھے۔

پہلی مثال میں سوال کے فعل سے انسانی متعلق واضح ہوتا ہے۔ طبری کی توضیح سے یہ نتیجہ نہیں نکالا جاسکتا کہ قریہ صرف انسانوں ہی کا نام ہے؛ ان کی عبارت متعلقہ مقام کی مراد بتاتی ہے۔ دوسری مثال میں ایک شخص کے لیے امت آنے سے جماعت کا روزمرہ ترجمہ کافی نہیں رہتا۔ طبری وہاں خیر کی تعلیم اور اہل ہدایت کے اقتدا کرنے کی جہت بیان کرتے ہیں۔¹⁷ یہ دونوں مثالیں دکھاتی ہیں کہ متقدم تفسیر میں سیاق کے مطابق معنی کی تخصیص موجود ہے۔

اس طرز بیان کی اہمیت یہ ہے کہ مختصر عبارت بھی ایک پیچیدہ معنوی مسئلے کو حل کر سکتی ہے۔ اگر قریہ کے متعلق صرف اہل کالفاظ استعمال کیا گیا ہے تو اس سے آبادی اور آبادی والوں کے تعلق کی عملی تعیین ہو جاتی ہے۔ بعد کا محقق اس تعبیر کو حذف، مجاز یا مشترک دلالیت کی اصطلاحوں میں بیان کر سکتا ہے، لیکن اس کی فنی اصطلاحات کی کثرت کو قدیم تفسیر میں معنی کے فقدان کی دلیل نہیں بنانا چاہیے۔ سادہ تعبیر ہمیشہ سادہ فہم کی علامت نہیں ہوتی۔

قدیم تفسیری اقوال کے تقابل میں الفاظ کے فرق کے ساتھ مقصد کا فرق بھی دیکھنا ہو گا۔ اگر ایک قول امت کو معلم خیر، دوسرا مقتدا اور تیسرا جامع خیر کہتا ہے تو ان سب کے پیچھے ابراہیم علیہ السلام کے وصف کا کون سا پہلو نمایاں ہے؟ معلم کا لفظ دوسروں کو نفع پہنچانے کو سامنے لاتا ہے؛ مقتدا پیروی کا تعلق ظاہر کرتا ہے؛ اور جامع خیر اوصاف کی کثرت کی تعبیر ہو سکتی ہے۔ ان اقوال کو تین متضاد تعریفیں کہنا تبھی درست ہو گا جب ان کے مفہوم میں حقیقی منافات ثابت ہو۔

مصدق کی تعیین اور لغوی تعریف کے فرق کی ایک واضح مثال قریہ کا مصر ہونا ہے۔ آیت کے تاریخی واقعے میں مصر کی نشان دہی اہل واقعہ کی معرفت کے لیے مفید ہے، لیکن قریہ کا عمومی معنی مصر قرار نہیں پاتا۔ اسی طرح کسی آیت میں جماعت کا تعیین کسی خاص گروہ سے ہو تو وہ امت کے تمام استعمالات کا مستقل مترادف نہیں۔ قدیم روایت میں جغرافیائی، تاریخی اور لغوی اقوال بعض اوقات ساتھ نقل ہوتے ہیں؛ جدید محقق کو انہیں ان کے الگ الگ علمی کام کے لحاظ سے پڑھنا چاہیے۔

مقدم تفسیری عبارت میں کسی معنی کا مختصر بیان اس کے دائرے کو پہچاننے میں مدد دیتا ہے، لیکن اس بیان کی نقل کرتے وقت اصل مقام محفوظ رہنا چاہیے۔ اگر کسی خاص آیت کی توضیح کو اٹھا کر پورے لفظ کی جامع تعریف بنادیا جائے تو قول کا محل بدل جاتا ہے۔ یہی مسئلہ اس وقت پیدا ہوتا ہے جب ایک مفسر کی مثال کو دوسرے سیاق میں بطور قطعی حکم استعمال کیا جائے۔ تحقیقی نقل میں صرف الفاظ کی صحت کافی نہیں؛ نسبت اور محل کی صحت بھی ضروری ہے۔

قدیم تفسیری مواد میں متعدد اقوال کی موجودگی کو ہمیشہ تردد یا غیر حل شدہ اختلاف نہ سمجھا جائے۔ بعض اوقات ایک مفسر اقوال جمع کرتا ہے، ان کے درمیان مشترک معنی دکھاتا ہے یا ان میں سے کسی کو ترجیح دیتا ہے۔ اس کا حتمی فیصلہ نقل شدہ مواد کے ساتھ پڑھا جائے۔ اگر محقق صرف ایک منقول قول لے اور مفسر کی ترجیح نظر انداز کر دے تو کتاب کی نمائندگی درست نہیں ہوگی۔ اس لیے اقتباس کے ساتھ متعلقہ بحث کا مکمل تناظر دیکھنا ضروری ہے۔

یہاں متقدمین کی علمی قدر کو جدید فنی اصطلاحات کی موجودگی سے جانچنے کا طریقہ بھی ناکافی ہے۔ قدیم مفسر جس فرق کو سادہ زبان میں سمجھاتا ہے، موجودہ محقق اسے زیادہ رسمی اصطلاح سے بیان کر سکتا ہے۔ یہ نام گذاری مفید ہے، مگر اسے فہم کی تاریخ کا آغاز قرار نہیں دیا جاسکتا۔ واقعی نئی فہم اور پرانی فہم کی نئی تعبیر کے درمیان فرق کرنے سے تفسیری روایت کے تسلسل کی زیادہ درست صورت سامنے آتی ہے۔

مقدمین کے مطالعے کا درست حاصل یہ ہے کہ ان کے اقوال کو صرف مواد کا ذخیرہ نہ سمجھا جائے، بلکہ ان میں موجود تعیین مراد کی عملی منطق بھی دیکھی جائے۔ وہ بعض اوقات لفظی تشریح، بعض اوقات سیاقی توضیح اور بعض اوقات واقعے کی شناخت فراہم کرتے ہیں۔ ان مختلف خدمات کی پہچان قرآنی اصطلاحات کی تاریخ کو زیادہ منصفانہ اور دقیق انداز میں سمجھنے میں مدد دیتی ہے۔

۲۔ مفسرین متاخرین کے مناجات اور اصطلاحات

متاخر مفسرین کے ہاں دلالیت کی تفصیل، سابق اقوال کا تقابل اور آیات کے باہمی تعلق کی توضیح زیادہ نمایاں صورت اختیار کر سکتی ہے۔ لیکن اس مشاہدے کو ہر بعد کے مفسر کے لیے یکساں حکم نہیں بنایا جاسکتا۔ بعض تفاسیر اختصار اختیار کرتی ہیں، بعض فقہی مباحث بڑھاتی ہیں، اور بعض بلاغی مناسبت یا اجتماعی

معنویت پر توجہ دیتی ہیں۔ اس لیے زمانی تقدیم و تاخر کے ساتھ موضوع، مخاطب اور علمی مقصد بھی دیکھنا ضروری ہے۔ منتخب تقابل میں اصل سوال یہ ہو گا کہ بعد کی توضیح پہلے سے موجود معنی کو منظم کر رہی ہے یا واقعی کوئی الگ معنی پیش کر رہی ہے۔

﴿إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ﴾¹⁸

ترجمہ: بے شک آپ جسے چاہیں ہدایت نہیں دے سکتے، لیکن اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے، اور وہ ہدایت پانے والوں کو خوب جانتا ہے۔

﴿وَإِنَّكَ لَتَهْدِي إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ﴾¹⁹

ترجمہ: اور بے شک آپ سیدھے راستے کی طرف رہنمائی کرتے ہیں۔

ان دونوں آیات میں ایک ہی رسول کے لیے ہدایت کی نفی اور اثبات ہے۔ اگر لفظ کو ہر مقام پر ایک ہی عملی نتیجے کے معنی میں لیا جائے تو تعارض کا گمان پیدا ہو گا۔ سعدی پہلی آیت کے تحت توفیق اور دوسری کے حوالے سے بیان و ارشاد کی ہدایت میں فرق کرتے ہیں۔²⁰ اس فرق کا علمی کام دو قرآنی نسبتوں کو ان کے الگ متعلق کے ساتھ سمجھانا ہے۔

یہاں تاریخی ارتقاء کے دعوے میں احتیاط لازم ہے۔ توفیق اور بیان کی اصطلاحی تقسیم کا کسی بعد کی کتاب میں واضح ہونا خود بخود یہ ثابت نہیں کرتا کہ پہلے لوگ ان دونوں عملی جہتوں میں فرق نہیں سمجھتے تھے۔ کسی تصور کا فنی نام بعد میں زیادہ مقبول ہو سکتا ہے، جب کہ اس کی بنیاد پہلے سے موجود ہو۔ اصطلاح کی تاریخ، معنی کی تاریخ اور استدلال کی تاریخ باہم متعلق ہیں، مگر ان کو ایک ہی تاریخ نہیں سمجھنا چاہیے۔ محقق کو جس چیز کی زمانی پیش رفت ثابت کرنی ہو، اس کی شہادت الگ جمع کرنا ہوگی۔

متاخر تفسیری بیان کے مطالعے میں ایک مفید سوال یہ ہے کہ توضیح کس اشکال کے جواب میں پھیلی ہے۔ ممکن ہے بعد کے مفسر کے سامنے انسانی اختیار اور الہی توفیق کی بحث ہو؛ ممکن ہے دعوت کی کامیابی اور داعی کی ذمہ داری کا سوال ہو۔ ایسی صورت میں اس کی عبارت پہلے کے مختصر ترجمے سے زیادہ وسیع ہوگی۔ وسعت کی وجہ معلوم کیے بغیر اسے لفظ کے معنی میں اضافہ کہنا محقق کو غلط سمت میں لے جاسکتا ہے۔ بعض نئے جملے لفظ کا معنی بیان کرتے ہیں، بعض اس معنی کے نتائج اور بعض اشکالات کا جواب۔

ابن عاشور کی تفسیر کے منتخب مقامات بلاغی ربط اور متعلقہ صورت حال کی تفصیل فراہم کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر سورہ کہف میں اہل کے دوبارہ ذکر کو وہ اہل آبادی کے طرز عمل کی زیادہ صریح نشان دہی کے ساتھ مربوط کرتے ہیں۔²¹ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک ہی لفظ کے بارے میں بعد کا سوال محض لغوی مترادف کا نہیں، اس کے مقام استعمال کی بلاغی تاثیر کا بھی ہو سکتا ہے۔ ایسی توضیح کو صرف نئے معنی کی فہرست میں شامل کرنا اس کے اصل کام کو کم کر دیتا ہے۔

یہ بھی ضروری ہے کہ متاخر مفسرین کی تعبیرات کو بلا تقابل ایک دوسرے کے برابر نہ رکھا جائے۔ بلاغی تعلیل، فقہی استنباط، اخلاقی توجیہ اور تاریخی بیان کے لیے مختلف شہادتیں درکار ہیں۔ کسی تفسیر میں ان سب کا جمع ہو جانا ہر دعوے کو یکساں قوت نہیں دیتا۔ محقق کو ماخذ کے احترام کے ساتھ دعوے کی نوعیت اور دلیل کی مناسبت بھی جانچنی چاہیے۔ یہی علمی رویہ تقابلی مطالعے کو محض اقوال کی نقل سے آگے بڑھاتا ہے۔

متاخر تفاسیر کے تقابل میں ایک ہی آیت کے مطالعے کو ترجیح دینا زیادہ مفید ہو سکتا ہے۔ اگر ایک مفسر کا اخلاقی بیان کسی دوسری آیت کے دوسرے مفسر کی لغوی تعریف سے مقابل ہو تو نتیجہ منہجی فرق سے زیادہ موضوع کے فرق کا عکس ہو گا۔ مشترک مقام، مشترک سوال اور مشترک لفظ کے تحت تقابل سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں مفسرین کی ترجیحات کہاں ملتی اور کہاں الگ ہوتی ہیں۔ اس کے بعد دیگر مقامات سے عمومی منہج کی تائید کی جاسکتی ہے۔

مفسر کے مخاطب کا فرق بھی ملحوظ رہنا چاہیے۔ کسی مختصر تفسیر کا مقصد عام قاری کو فوری مفہوم سمجھانا ہو سکتا ہے؛ کسی مفصل تفسیر میں سابق اعتراضات اور فنی مباحث کا جواب مطلوب ہو گا۔ دونوں کی عبارتوں کی طوالت کا فرق علمی قوت کا سادہ پیمانہ نہیں۔ مختصر کتاب کی خاموشی سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ مصنف کسی مسئلے سے واقف نہ تھا، اور مفصل بحث کی موجودگی سے ہر دعویٰ کی صحت ثابت نہیں ہو جاتی۔

بعد کی معاشرتی تطبیق کا جائزہ بھی الگ درجے پر لیا جائے۔ اگر مفسر امت کی اجتماعی ذمہ داری کو اپنے زمانے کے مسائل سے مربوط کرتا ہے تو اس کی دلیل متعلقہ آیات اور اخلاقی اصول ہوں گے۔ اس تطبیق کی کامیابی اس بات سے جانچی جائے گی کہ وہ اصل مراد کے ساتھ موافق اور موجود صورت حال کے لیے مناسب ہے یا نہیں۔ اسے لفظ کی مستقل لغوی تعریف سمجھنے سے جدید مسئلے اور قرآنی متن دونوں کی حیثیت مبہم ہو جاتی ہے۔

اس ذیلی بحث کا نتیجہ یہ ہے کہ متاخر تفسیر کی علمی قدر صرف اس بات میں نہیں کہ وہ زیادہ کہتی ہے، بلکہ اس بات میں ہے کہ وہ کیا واضح کرتی ہے۔ اگر توضیح سابق معنی کے اندر پوشیدہ فرق کو منظم کرے تو یہ قابل قدر تفسیری پیش رفت ہے۔ اگر وہ نئے اطلاق کو بیان کرے تو اسے اطلاق کی حیثیت سے پرکھا جائے۔ اور اگر نئے اصل معنی کا دعویٰ کرے تو اس کے لیے مستقل لسانی اور سیاقی شہادت طلب کی جائے۔

س۔ لغوی اور نحوی تفسیر میں اصطلاحات کا استعمال

لغوی تفسیر لفظ کے استعمال، اشتقاق اور معنوی امکانات کو دیکھتی ہے؛ نحوی تفسیر جملے کے اجزاء کے تعلق سے مراد متعین کرنے میں مدد دیتی ہے۔ ان دونوں کے بغیر قرآنی اصطلاح کا مطالعہ اکثر ایک غیر منضبط مترادف نگاری بن جاتا ہے۔ تاہم نحو صرف اعراب کے نام بتانے کا علم نہیں، بلکہ اس سے فاعلیت، وصف، تعلق اور کلام کی جہت بھی واضح ہوتی ہے۔ لفظ کی لغوی صلاحیت اور جملے میں اس کی عملی دلالت کا فرق خاص طور پر ان مقامات پر سامنے آتا ہے جہاں لفظ ایک سے زیادہ معروف مفہوم رکھتا ہو۔

(رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْ هَذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ أَهْلُهَا)²²

ترجمہ: اے ہمارے رب! ہمیں اس بستی سے نکال جس کے باشندے ظالم ہیں۔

(وَتِلْكَ الْقَرْيَ أَهْلُكُنَا هُمْ لَمَّا ظَلَمُوا وَجَعَلْنَا لِمَهْلِكِهِمْ مَوْعِدًا)²³

ترجمہ: اور یہ بستیاں ہیں جن کے لوگوں کو ہم نے ہلاک کیا جب انہوں نے ظلم کیا، اور ان کی ہلاکت کے لیے ایک وقت مقرر کر دیا تھا۔

(وَقَالَ الَّذِي نَجَا مِنْهُمَا وَادَّكَرَ بَعْدَ أُمَّةٍ)²⁴

ترجمہ: اور ان دونوں میں سے جو بچ گیا تھا اور ایک مدت کے بعد اسے یاد آیا، اس نے کہا۔

پہلی مثال میں اہل ظلم کی نسبت کو واضح کرتے ہیں۔ یہاں بستی سے متعلق وصف کی ترکیب انسانی فاعلیت کا تعین کرتی ہے۔ دوسری مثال میں جمع مکانی کے بعد انسانی جمع کی ضمیر اور ظلم کا فعل سامنے آتا ہے۔ یہ نحوی قرائن بتاتے ہیں کہ اجتماعی آبادی اور اس کے باشندوں کا تعلق کلام میں کس طرح کام کرتا ہے۔ تیسری مثال میں بعد کا زمانی تعلق امت کے مفہوم کی تعیین میں مدد دیتا ہے۔ یوں نحو لغت کے امکانات میں سے متعلقہ امکان کو وزن فراہم کرتی ہے۔

لغت کی متعدد تعریفیں پڑھتے ہوئے کبھی یہ غلط فہمی پیدا ہوتی ہے کہ لفظ کی ہر تعریف مستقل اور غیر متعلق معنی ہے۔ لیکن بعض تعریفیں اصل دلالت، بعض عرفی اطلاق، بعض مثال اور بعض مخصوص ترکیب کی تشریح ہوتی ہیں۔ اگر ان سب کو برابر شمار کیا جائے تو معنی کی تعداد غیر ضروری طور پر بڑھ جاتی ہے۔ ایک لفظ کے لیے پانچ مترادفات ہونا ضروری نہیں کہ پانچ بنیادی معانی ہوں۔ مترادفات کی نسبت، ان کا مشترک دائرہ اور اختلافی خصوصیت جانچنا لغوی تحقیق کا حصہ ہے۔

قریہ کی مثال اس فرق کو مزید واضح کرتی ہے۔ آبادی کا نام جگہ اور لوگوں دونوں سے متعلق ہو سکتا ہے، لیکن ہر جملے میں کلام کا مرکز ایک ہی نہیں۔ بستی میں داخل ہونے کے بیان میں جگہ نمایاں ہوتی ہے؛ بستی کے ظلم یا انکار کے بیان میں باشندوں کا عمل؛ اور بستی کی تباہی میں انسانی و مکانی دونوں پہلو سیاق کے لحاظ سے جمع ہو سکتے ہیں۔ اس تنوع کو سمجھنے کے لیے صرف لغت کافی نہیں، فعل اور اسناد کا تعلق بھی دیکھا جائے گا۔

نحوی احتمال کی قوت بھی ہر جگہ یکساں نہیں ہوتی۔ کوئی ترکیب عربی قواعد کے لحاظ سے ممکن ہو، مگر سیاق اسے بعید کر دے۔ تحقیق میں ممکن، مناسب اور رائج کے الفاظ اس فرق کو واضح کرتے ہیں۔ اگر مفسر صرف ایک جائز اعراب بیان کرتا ہے تو اسے قطعی مراد قرار نہ دیا جائے۔ اس کے برعکس سیاق، استعمال اور دوسرے شواہد ایک ہی تحلیل کی تائید کریں تو اس کی قوت زیادہ ہوگی۔ اس ترتیب سے صرف فنی امکان کو معنوی فیصلہ بنادینے سے بچا جاسکتا ہے۔

لفظ امت کے زمانی استعمال میں طبری متعلقہ عبارت کو بعدِ حین کے مفہوم سے واضح کرتے ہیں۔²⁵ اس مثال میں نحوی تعلق اور تفسیری بیان باہم موافق ہیں۔ لیکن مدت کے استعمال سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ ہر امت زمانی وحدت ہے۔ یہی فرق سیاقی معنی کو صحیح مقام تک محدود رکھتا ہے، اور دوسرے استعمالات کو زبردستی اسی میں داخل کرنے سے روکتا ہے۔

اعراب کی تحقیق میں وقف اور کلام کی تکمیل کا لحاظ بھی مددگار ہو سکتا ہے۔ ایک جملے کی حد کہاں ہے، اگلا وصف کس سے متعلق ہے، اور ضمیر کا مرجع کیا ہے، ان سوالوں سے دلالت واضح ہوتی ہے۔ تاہم کسی خاص وقف کی سہولت کو متن کی واحد ممکنہ ترکیب کا ثبوت نہ بنایا جائے۔ نحوی تجزیہ اپنے دلائل کے ساتھ بیان ہو گا اور قراءت کی روایت سے متعلق دعویٰ مستند ماخذ کا محتاج رہے گا۔ محض معنوی پسند کی بنیاد پر قراءت یا وقف کے بارے میں حکم دینا درست نہیں۔ صرفی اور نحوی اختلاف کو بھی یکساں نہ سمجھا جائے۔ لفظ کی بناوٹ اس کے استعمال کی بعض جہتیں ظاہر کر سکتی ہے، جب کہ جملے میں اس کا مقام الگ تعلق متعین کرتا ہے۔ اگر دونوں ایک ہی سمت کی تائید کریں تو استدلال زیادہ واضح ہو گا۔ اگر کسی صرفی امکان کے مقابلے میں سیاق زیادہ مضبوط ہو تو محقق کو دونوں کی قوت بیان کر کے ترجیح دینا ہوگی۔ فنی اصطلاحات کا ذکر اس ترجیح کی دلیل کا بدل نہیں بن سکتا۔

لغوی ماخذ استعمال کرتے وقت اس کے ترتیب و تدوین کے طریقے کا لحاظ بھی ضروری ہے۔ کسی مادے کے تحت متعدد الفاظ جمع ہونے سے ان سب کی مخصوص دلائلیں ختم نہیں ہوتیں۔ مادے سے لفظ تک، اور لفظ سے ترکیب تک پہنچنا الگ مرحلے ہیں۔ اسی طرح لغت میں قرآنی آیت کی موجودگی کبھی استعمال کی مثال ہوتی ہے اور کبھی معجم نگار کی اپنی تفسیری توضیح۔ ان دونوں کو ایک ہی نوعیت کی آزاد لسانی شہادت نہ سمجھا جائے۔

لغوی اور نحوی تحقیق کا عملی فائدہ درست ترجمے میں بھی سامنے آتا ہے۔ بستی کے ظلم کا ترجمہ اگر اس طرح ہو کہ عمارتیں ظالم دکھائی دیں، تو اسناد کا انسانی پہلو چھپ جاتا ہے۔ اسی طرح امت کو مدت کے مقام پر جماعت کہنا زمانی ربط کو نقصان پہنچاتا ہے۔ علمی مترجم لفظ کا احترام اس طرح کرتا ہے کہ اس کے مخصوص استعمال کا مفہوم دوسری زبان میں واضح ہو جائے، نہ اس طرح کہ ہر جگہ ایک ہی لفظ کی پابندی سے معنی مبہم ہو جائے۔

اس مطالعے سے واضح ہوتا ہے کہ لغت اور نحو معنی کی تحقیق میں دو الگ مگر مربوط خدمات انجام دیتی ہیں۔ لغت دلالت کا ذخیرہ بتاتی ہے، نحو اس ذخیرے کے مخصوص استعمال کو منضبط کرتی ہے، اور سیاق اس کی مناسبت کو جانچتا ہے۔ ان کی مشترک قراءت قرآنی اصطلاح کو بے ربط لغوی فہرست کے بجائے ایک زندہ اور معنی خیز کلام کا حصہ بنا کر سمجھتی ہے۔

۴۔ موضوعاتی تفسیر میں اصطلاحات کی معنوی وسعت

موضوعاتی مطالعہ متعلقہ آیات کو جمع کر کے کسی تصور کے مختلف پہلوؤں کو مربوط صورت میں دیکھتا ہے۔ یہ طریقہ صبر اور ہدایت جیسے الفاظ کے اخلاقی و اعتقادی تعلقات سمجھنے میں مفید ہے۔ تاہم لفظ کی تمام صورتوں کو جمع کرنا اور موضوع سے متعلق تمام آیات کو جمع کرنا یکساں کام نہیں۔ کسی موضوع کی اہم آیت میں متعلقہ لفظ موجود نہ بھی ہو سکتا ہے، اور کسی لفظ کے بعض استعمالات موضوع کے مرکزی مفہوم سے مختلف نوعیت رکھ سکتے ہیں۔ اس لیے موضوعاتی وسعت کے ساتھ دلالتی امتیاز بھی ضروری ہے۔

(يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ)²⁶

ترجمہ: اے ایمان والو! صبر اور نماز کے ذریعے مدد چاہو؛ بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

(يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اصْبِرُوا وَصَابِرُوا وَرَابِطُوا وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ)²⁷

ترجمہ: اے ایمان والو! صبر کرو، مقابلے میں ثابت قدم رہو، مستعد رہو اور اللہ سے ڈرو، تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔

(إِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمُ)²⁸

ترجمہ: بے شک یہ قرآن اس راستے کی رہنمائی کرتا ہے جو سب سے زیادہ درست ہے۔

پہلی دو آیات کو جمع کرنے سے صبر انفرادی ضبط کے ساتھ اجتماعی استقامت اور عبادت سے بھی مربوط نظر آتا ہے۔ تیسری آیت ہدایت کی سمت اور معیار کو واضح کرتی ہے۔ ان آیات سے موضوعاتی تصور وسیع ہوتا ہے، لیکن لفظ کے معنی کو ہر جگہ یکساں کرنے کی ضرورت نہیں۔ صبر کے عمومی اخلاقی وصف کے مختلف مواقع ہو سکتے ہیں؛ ہدایت کا عمومی تعلق رہنمائی سے ہونے کے باوجود اس کی نسبت، درجے اور نتیجے میں فرق ہو سکتا ہے۔

موضوعاتی تفسیر کی بنیادی قوت یہ ہے کہ وہ ایک آیت کو پورے تصور کی واحد نمائندہ نہیں بناتی۔ صبر کو صرف مصیبت کے باب میں پڑھا جائے تو طاعت، دعوت اور اجتماعی ذمہ داری کے پہلو کمزور پڑتے ہیں۔ امت کو صرف مسلم جماعت کے باب میں پڑھا جائے تو اس کے غیر انسانی جماعتوں، مدت اور پیشوائی والے استعمالات الگ تحقیق کے محتاج رہتے ہیں۔ موضوعاتی طریقہ ان جہتوں کو نمایاں کر سکتا ہے، بشرطیکہ جمع کرنے کے بعد درست درجہ بندی بھی کی جائے۔

اس طریقے میں ایک خطرہ معنی کی حد سے زیادہ تعمیم ہے۔ اگر صبر کا موضوع وسیع ہے تو یہ ضروری نہیں کہ ہر صبر والے مقام میں تمام اخلاقی پہلو بافعل مراد ہوں۔ کسی خاص واقعے میں مصیبت پر ضبط، دوسرے میں حکم کی پابندی اور تیسرے میں مقابلے کی استقامت نمایاں ہو سکتی ہے۔ عمومی تصور اور خاص استعمال کا تعلق جنس اور نوع یا مشترک وصف اور مخصوص حال کے طور پر سمجھا جاسکتا ہے۔ انہیں برابر قرار دینے سے ہر آیت کی انفرادی دلالت کم ہو جاتی ہے۔

دوسرا خطرہ لفظی جستجو کو مکمل موضوعاتی تحقیق سمجھنا ہے۔ اگر متعلقہ لفظ کے تمام مقامات مل بھی جائیں تو ان کے ساتھ جڑے افعال، اضراد، نتائج اور قرآن کا مطالعہ باقی رہتا ہے۔ صبر کے ساتھ جزء، عجلت، اطاعت، نماز اور تقویٰ کے تعلقات تصور کو واضح کرتے ہیں۔ ہدایت کے ساتھ ضلالت، ایمان، بیان، قبول اور عمل کی نسبتیں اہم ہیں۔ لیکن ان تعلقات کا ذکر لفظ کے لیے غیر محدود نئے لغوی معانی پیدا نہ کرے، وہ تصور کی ساخت بتاتے ہیں۔

موضوعاتی تحقیق میں منفی اور غیر متوقع استعمالات بھی دیکھنے چاہئیں۔ قرآن میں کسی گروہ کا اپنے آپ کو ہدایت یافتہ کہنا ضروری نہیں کہ قرآن بھی اس دعوے کی تصدیق کرتا ہو۔ اسی طرح امت کا لفظ کسی گروہ کے لیے آنا اسے لازماً فضیلت نہیں دیتا۔ وصف کی قدر سیاق، فعل اور متعلقہ حکم سے متعین ہوگی۔ صرف اصطلاح کے معروف مثبت استعمال کو دیکھ کر ہر جگہ تحسین کا مفہوم قائم کرنا دلالتی غلطی ہے۔

موضوعاتی مطالعے میں متعلقہ آیات کی جمع آوری کے بعد ان کے زمان نزول پر گفتگو ممکن ہے، لیکن صرف مصحف کی ترتیب کو تاریخی ترتیب نہیں سمجھا جاسکتا۔ اگر کسی لفظ کے کئی اور مدنی استعمالات کے درمیان ارتقاء تجویز کیا جائے تو ہر متعلقہ مقام کی زمانی نسبت اور اس نسبت کی قوت واضح ہونی چاہیے۔ عمومی مکی و مدنی تقسیم کبھی مدد دیتی ہے، لیکن تمام جزئیات کا فیصلہ نہیں کرتی۔ تاریخی استدلال اپنے مستقل شواہد کے ساتھ قائم ہوگا۔

اسی طرح موضوع کی وسعت سے مصطلح کی وسعت الگ ہے۔ ہدایت سے متعلق مضمون میں دلیل، دعوت، علم اور عمل کے کئی مباحث آسکتے ہیں، لیکن ان سب کو ہدایت کے لغوی معانی کہنا مناسب نہیں۔ یہ موضوع کے اجزایا تعلقات بھی ہو سکتے ہیں۔ لفظ کے معانی کی فہرست اور موضوع کی ساخت کا نقشہ الگ رکھا جائے تو دونوں زیادہ مفید ہوتے ہیں۔ ان کے خلط سے مضمون کا حجم تو بڑھتا ہے، مگر معنوی تحقیق کی دقت کم ہو سکتی ہے۔

ایک مفید تدریسی طریقہ یہ ہے کہ پہلے ایک لفظ کے مختلف مقامات کا ترجمہ طلبہ سے کروایا جائے، پھر ان کے انتخاب کے قرآن پوچھے جائیں۔ اس سے انہیں معلوم ہوگا کہ ایک ہی لفظ کے لیے مختلف اردو تعبیر کیوں درکار ہوتی ہے۔ بعد میں تفسیری اقوال دکھا کر ان کے مشترک اور مختلف حصے واضح کیے جاسکتے ہیں۔ یہ طریقہ محض تعریف یاد کرانے کے بجائے متن سے معنی متعین کرنے کی عملی صلاحیت پیدا کرتا ہے۔

اس طریقے کا عملی حاصل ایک ایسا تصوراتی نقشہ ہونا چاہیے جس میں لفظ کا مشترک تعلق، مختلف استعمالات اور ہر استعمال کی سیاق حد معلوم ہو۔ یہ نقشہ تدریس اور تحقیق دونوں میں مفید ہے۔ مدرس اس کے ذریعے طلبہ کو لفظ کے متعدد مگر مربوط پہلو سمجھا سکتا ہے؛ محقق اس کی مدد سے متعارض اور تکمیلی اقوال میں فرق کر سکتا ہے۔ شرط یہ ہے کہ ہر درجے کی نسبت متن سے واضح ہو اور محقق کی اپنی ترکیب کو قرآن کے کسی ایک لفظ کا قطعی مترادف نہ بنادیا جائے۔

لہذا موضوعاتی تفسیر میں معنوی وسعت کا درست مفہوم یہ ہے کہ متعدد قرآنی بیانات سے ایک تصور کی جامع تفہیم حاصل ہو۔ یہ وسعت متن میں نئے معانی داخل کرنے کی اجازت نہیں، بلکہ موجود دلائلوں کے ربط کو سمجھنے کی ذمہ داری ہے۔ ہر آیت کا سیاق محفوظ رہے تو مجموعی تصور بھی مضبوط ہوتا ہے اور جزوی معنی بھی واضح رہتا ہے۔

مبحث سوم: منتخب قرآنی اصطلاحات کا تجزیاتی مطالعہ

قریہ، امت، صبر اور ہدیٰ کا انتخاب اس لیے اہم ہے کہ یہ چاروں الفاظ ایک ہی نوعیت کی معنوی صورت پیش نہیں کرتے۔ قریہ میں جگہ اور اہل جگہ کا تعلق نمایاں ہے؛ امت میں جماعت، طریقہ، مدت اور پیشوائی جیسے استعمالات؛ صبر میں ایک اخلاقی وصف کے مختلف مواقع؛ اور ہدیٰ میں رہنمائی کی نسبت اور

درجے کا فرق۔ ان سب کو ایک عمومی دعوے کے تحت تاریخی تبدیلی کی مثالیں قرار دینا ان کی مخصوص دلائلوں کو کم کر دے گا۔ تحقیقی مطالعے میں پہلے ہر لفظ کا الگ مسئلہ سمجھنا چاہیے، پھر ان کے درمیان مشترک اصول اخذ کرنا چاہیے۔

اس بحث میں ہر اصطلاح کے منتخب قرآنی مقامات، ان کے تراجم اور متعلقہ تفسیری شہادتوں کی مدد سے معنی کا جائزہ لیا جائے گا۔ انتخابی مطالعے کی حد یہ ہے کہ یہاں ان الفاظ اور ان کی تمام مشتقات کا مکمل عددی استقراء پیش نہیں کیا جا رہا۔ اس لیے نتائج متعلقہ شواہد اور منہجی استدلال کی قوت کے مطابق بیان ہوں گے۔ مقصود یہ دکھانا ہے کہ ترجمے کا فرق، نحوی قرینہ، تصوراتی تعلق اور تفسیری توضیح مل کر دلالت کی کون سی صورت واضح کرتے ہیں۔ اس تجزیے سے تاریخی ارتقاء کے عنوان کا محاکمہ بھی ہو گا اور یہ معلوم ہو گا کہ تحقیق میں بعض مقامات پر معنوی تنوع یا توضیحی وسعت کی تعبیر زیادہ دقیق کیوں ہے۔

۱۔ القرینہ کے معانی میں تنوع کا تجزیہ

قرینہ کا عمومی تعلق انسانی آبادی سے ہے، لیکن قرآن میں اس کی دلالت کو موجودہ اردو کے گاؤں تک محدود نہیں کیا جاسکتا۔ بعض مقامات پر جگہ نمایاں ہوتی ہے، بعض میں باشندے اور بعض میں آباد معاشرہ اپنی مکانی و انسانی وحدت کے ساتھ سامنے آتا ہے۔ اس لیے پہلے یہ دیکھا جائے گا کہ متعلقہ فعل اور وصف کس جہت کو فعال کرتے ہیں۔ قرینہ کا تنوع بنیادی طور پر آبادی، انسان اور اجتماعی عمل کے باہمی تعلق سے سمجھا جاسکتا ہے۔ یہی تعلق اس لفظ کے ترجمے اور تفسیری تحلیل دونوں میں اہم ہے۔

(وَاسْأَلِ الْقَرْيَةَ الَّتِي كُنَّا فِيهَا وَالْعِيرَ الَّتِي أَقْبَلْنَا فِيهَا وَإِنَّا لَصَادِقُونَ)²⁹

ترجمہ: اور اس بستی سے پوچھ لیجیے جس میں ہم تھے، اور اس قافلے سے بھی جس کے ساتھ ہم آئے ہیں؛ بے شک ہم سچے ہیں۔

(فَانْطَلَقَا حَتَّىٰ إِذَا أَتَيَا أَهْلَ قَرْيَةٍ اسْتَطْعَمَا أَهْلُهَا فَأَبَوْا أَنْ يُصَيِّفُوهُمَا)³⁰

ترجمہ: پھر دونوں چل پڑے، یہاں تک کہ جب ایک بستی کے لوگوں کے پاس پہنچے تو ان سے کھانا مانگا، مگر انہوں نے دونوں کی مہمان

نوازی سے انکار کر دیا۔

(وَأَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلَامَيْنِ يَتِيمَيْنِ فِي الْمَدِينَةِ)³¹

ترجمہ: اور وہ دیوار شہر میں دو یتیم لڑکوں کی تھی۔

پہلی آیت میں سوال کا حکم اہل آبادی سے خبر کی تصدیق کے لیے ہے۔ عمارتوں سے جواب طلب کرنا مقصود نہیں۔ طبری اس مقام پر باشندوں سے پوچھنے کا مفہوم بیان کرتے ہیں، جب کہ قرطبی اہل کے حذف کی نحوی توضیح پیش کرتے ہیں۔³² راغب کی لغوی توضیح کے مطابق لفظ خود جگہ اور لوگوں دونوں کے لیے مستعمل ہے۔ ان تعبیرات میں عملی مراد مشترک ہے؛ فرق اس مراد کی لسانی توجیہ میں ہے۔

اس مثال سے ایک اہم تحقیقی نتیجہ نکلتا ہے: ہر اختلافِ تحلیل کو اختلافِ معنی شمار نہیں کرنا چاہیے۔ حذفِ مضاف کہنے والا اور انسانی دلالت ماننے والا دونوں اہل آبادی سے سوال مراد لیتے ہیں۔ ایک طریقہ ساخت میں محذوف متعلق بیان کرتا ہے؛ دوسرا لفظ کے موجود استعمال کو کافی سمجھتا ہے۔ اگر محقق ان دونوں کو دو متضاد قرآنی تعلیمات قرار دے تو وہ تفسیری اقوال کی حقیقی نسبت کو غلط سمجھے گا۔ صحیح تقابل میں معنی کا حاصل اور تحلیل کا طریقہ دونوں الگ سامنے رکھے جائیں گے۔

سورہ کہف کی دوسری مثال میں اہل کا صریح ذکر اس فرق کو مزید واضح کرتا ہے۔ یہاں کلام صرف جگہ کے نام پر اکتفا نہیں کرتا، بلکہ باشندوں کو دو مرتبہ نمایاں کرتا ہے۔ ان کا طرزِ عمل قصے کی اخلاقی جہت سے متعلق ہے۔ یہ کہنا درست ہو گا کہ اہل کا ذکر انسانی کردار کو واضح کرتا ہے؛ لیکن اس سے یہ عمومی ضابطہ اخذ نہیں کیا جاسکتا کہ جہاں اہل کا ذکر نہ ہو وہاں انسان مراد نہیں ہو سکتے۔ الفاظ کی دلالت سیاق کے ساتھ متعین ہوگی۔

قریہ اور مدینہ کے تعلق میں بھی یہی احتیاط لازم ہے۔ سورہ کہف کے اس قصے میں پہلے قریہ اور بعد میں مدینہ آیا ہے۔ اس کے باوجود لفظوں کے اس فرق سے کوئی انتظامی تاریخ یا بستی کے شہر بن جانے کا عمل ثابت نہیں ہوتا۔ نہ قصے میں ایسی تعمیراتی تبدیلی بیان ہوئی ہے اور نہ لفظوں کی ترتیب بذاتِ خود اس کا ثبوت ہے۔ اسی طرح یہ کلی دعویٰ کہ قریہ لازماً بدکردار آبادی اور مدینہ لازماً نیک آبادی کا نام ہے، ان الفاظ کی جامع لغوی تعریف نہیں بن سکتا۔ اس نوعیت کی بلاغی مناسبت کسی خاص مقام پر تجویز کی جاسکتی ہے، مگر اسے عمومی ضابطہ بنانے کے لیے تمام متعلقہ شواہد جانچنا ہوں گے۔

اس فرق کی اہمیت قرآن کے اخلاقی بیان میں بھی ہے۔ ظلم، انکار اور تکذیب انسانی افعال ہیں؛ جب ان کی نسبت قریہ کی طرف ہو تو انسانی اجتماع نمایاں ہوتا ہے۔ داخل ہونا، نکلنا یا قیام کرنا مکانی تعلقات ہیں؛ وہاں جگہ کی جہت غالب ہو سکتی ہے۔ لیکن معاشرہ جگہ سے بے تعلق نہیں اور جگہ انسانوں کے عمل سے بے اثر نہیں۔ اسی لیے آبادی کا ایک لفظ دونوں جہتوں کو جوڑ سکتا ہے۔ اس مشترک نسبت کو سمجھنے سے مجاز اور حذف کی بحث زیادہ واضح ہوتی ہے۔

ترجمے میں بستی نسبتاً وسیع لفظ ہے، مگر ہر مقام پر وہ بھی کافی نہیں۔ سوال کرنے کی آیت میں ترجمے یا مختصر توضیح سے اہل بستی کی مراد ظاہر کرنا مناسب ہے۔ کسی مخصوص معروف شہر کے ذکر میں سیاقی شناخت قاری کی مدد کر سکتی ہے۔ لیکن شناخت کو لفظ کے بنیادی معنی سے الگ رکھا جائے۔ قریہ اگر کسی مقام پر مکہ کے لیے استعمال ہو تو یہ مکہ کا مصداق ہے، قریہ کی لغوی تعریف مکہ نہیں۔ اس فرق سے معجم اور تفسیر کی خدمات واضح رہتی ہیں۔

قریہ کے معاشرتی مطالعے میں آبادی کی اجتماعی ذمہ داری پر گفتگو ممکن ہے، لیکن لفظ خود اس ذمہ داری کے تمام قواعد نہیں بتاتا۔ اجتماعی ہلاکت کی آیات میں ظلم، اصلاح اور متعلقہ قرائن دیکھے جائیں گے۔ محض قریہ کی طرف فعل کی نسبت سے ہر فرد کے فعل یا درجہ جرم کی یکسانیت ثابت نہیں ہوتی۔ اجتماعی اسناد اور انفرادی نسبت کے درمیان فرق برقرار رہنا چاہیے۔ یہی اصول اخلاقی تعبیر کو غیر منضبط تعلیم سے محفوظ رکھتا ہے۔

قریہ کے منتخب استعمالات کا حاصل یہ ہے کہ یہاں معنی کا مکانی و انسانی تنوع مضبوط طور پر سامنے آتا ہے۔ اس تنوع کی لغوی اور نحوی توضیح مختلف ہو سکتی ہے، لیکن اسے تاریخی ارتقاء کی قطعی مثال بنانے کے لیے مزید قدیم اور قابلِ تاریخ شواہد درکار ہوں گے۔ دستیاب قرآنی شہادت آبادی کے ایک مربوط تصور کو مختلف جہتوں سے پیش کرتی ہے۔ اس کی درست تفہیم لفظ کو صرف گاؤں میں محدود کرنے یا ہر مقام میں اس کے لیے الگ غیر متعلق معنی قائم کرنے، دونوں سے زیادہ دقیق ہے۔

۲۔ الامۃ کے مفہیم میں ارتقاء کا جائزہ

امت قرآن میں متعدد سیاقوں میں آتی ہے؛ اس لیے اس کا مطالعہ اجتماعی شناخت سے شروع ہو کر اسی پر ختم نہیں کیا جاسکتا۔ جماعت، مشترک طریقہ، مدت اور مقتدا شخص کے استعمالات کو الگ دیکھنا ضروری ہے۔ یہاں ارتقاء کا لفظ تحقیقی سوال کی حیثیت رکھتا ہے؛ کیا یہ استعمال کسی ثابت زمانی سلسلے میں پیدا ہوئے، یا زبان میں موجود متعدد دلائل قرآن کے مختلف مقامات میں استعمال ہوئی ہیں؟ صرف مختلف معانی دکھانے سے اس سوال کا تاریخی جواب حاصل نہیں ہوتا۔

﴿وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا﴾³³

ترجمہ: اور اسی طرح ہم نے تمہیں ایک معتدل اور برگزیدہ امت بنایا تاکہ تم لوگوں پر گواہ ہو اور رسول تم پر گواہ ہوں۔

﴿بَلْ قَالُوا إِنَّا وَجَدْنَا آبَاءَنَا عَلَىٰ أُمَّةٍ وَإِنَّا عَلَىٰ آثَارِهِم مُّهُتَدُونَ﴾³⁴

ترجمہ: بلکہ انہوں نے کہا: ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک طریقے پر پایا ہے اور ہم انہی کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ہدایت یافتہ ہیں۔

﴿إِنَّ إِبْرَاهِيمَ كَانَ أُمَّةً قَانِتًا لِلَّهِ حَنِيفًا وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِينَ﴾³⁵

ترجمہ: بے شک ابراہیم ایک پیشوا تھے، اللہ کے فرمان بردار اور یکسو، اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھے۔

پہلی آیت میں امت ایک انسانی جماعت ہے جس کے ساتھ وسطیت اور شہادت کی ذمہ داری بیان ہوئی ہے۔ دوسری میں باپ دادا کے طریقے کی پیروی کا دعویٰ ہے، اور تیسری میں ایک فرد کا وصف۔ ان استعمالات کے لیے ایک ہی اردو لفظ قوم کافی نہیں۔ اگر ہر جگہ قوم لکھا جائے تو طریقے اور پیشوائی کی دلالت متاثر ہوگی۔ یہاں ترجمے کی تبدیلی لفظ کے مختلف سیاقی استعمالات کی رعایت ہے۔

زخرف کے مقام پر طبری امت کو دین و ملت کے مفہوم سے واضح کرتے ہیں۔³⁶ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ امت کا لفظ کسی طریقے کے لیے بھی آسکتا ہے۔ لیکن اس مقام پر بیان کردہ طریقے کو قرآن کی تائید حاصل سمجھنا درست نہیں؛ یہ مخالف گروہ کا اپنا دعویٰ ہے۔ لہذا لفظ کا معنی اور کلام میں اس کی قدر الگ جانچے جائیں گے۔ امت کہنا ہر مقام پر حقانیت یا فضیلت کی سند نہیں۔

ابراہیم علیہ السلام کے وصف میں امت کا مفہوم صرف عددی اجتماع سے سمجھ میں نہیں آتا۔ ایک شخص دوسروں کے لیے مقتدا اور خیر کی تعلیم کا مرکز ہو سکتا ہے۔ اس مقام پر فرد کا اجتماعی اثر اس لفظ کی توضیح میں اہم ہے۔ تاہم اسے لفظ امت کے تمام استعمالات کی اصل تعریف نہیں بنانا چاہیے۔ ہر جماعت کو پیشوا کہنا اور ہر مدت کو اجتماعی اثر قرار دینا معنی کی توضیح کے بجائے زبردستی وحدت قائم کرنے کی کوشش ہوگی۔

امت کے دیگر استعمالات کو بھی اس تجربے میں ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ سورہ یوسف میں مدت کا مفہوم پہلے بیان ہو چکا ہے۔ سورہ انعام میں جانوروں اور پرندوں کے لیے ام کا استعمال اس لفظ کو صرف انسانی سیاسی اجتماع تک محدود نہیں رہنے دیتا۔ طبری اس مقام پر مخلوقات کی مختلف اصناف اور ان کے نظم کی توضیح کرتے ہیں۔³⁷ یہاں مماثلت کا مطلب ہر حیثیت سے انسانی معاشرے کی برابری نہیں؛ متعلقہ کلام میں جماعتوں یا اصناف کا تعلق نمایاں ہے۔

امت کے مختلف مفہیم میں کوئی مشترک تعلق تلاش کرنا مفید ہو سکتا ہے، مثلاً اجتماع، نسبت یا مشترک طریقے کی جہت۔ راغب کی توضیح میں جماعت کو کسی مشترک امر کے ذریعے مربوط ہونے کے لحاظ سے دیکھا گیا ہے۔³⁸ لیکن یہ عمومی تعلق تمام استعمالات کی یکساں عملی تعریف نہیں۔ مدت کے استعمال اور ایک شخص کے وصف کے لیے الگ سیاقی توضیح لازم رہتی ہے۔ مشترک تعلق بیان کرنا مفید ہے؛ ہر فرق مثلاً دینا مفید نہیں۔

قرآنی امت کے اخلاقی تصور میں شہادت، دعوت اور ذمہ داری کی اہمیت ہے۔ لیکن یہ اوصاف متعلقہ آیات سے معلوم ہوتے ہیں، صرف لفظ امت کی لغوی تعریف سے نہیں۔ اگر کسی مسلمان جماعت کے لیے امت کا نام معروف ہے تو اس کے لیے مذکورہ ذمہ داریوں کی یاد دہانی درست ہے؛ لیکن اس نام کو اخلاقی معیار سے آزاد فضیلت کی ضمانت بنادینا آیت کے شرعی اور وصفی تعلقات کو کمزور کرتا ہے۔ اجتماعی شناخت اور اجتماعی کردار کے درمیان قرآن کا قائم کردہ تعلق ملحوظ رہنا چاہیے۔

امت کے شخصی وصف میں مفسرین کے تقابل سے یہ فرق مزید واضح ہوتا ہے۔ زرخشری ابراہیم علیہ السلام کے لیے امت کی توضیح میں دو جہتیں پیش کرتے ہیں: جامع اوصاف خیر ہونے کی وجہ سے ایک جماعت کے قائم مقام ہونا، اور ایسا مقتدا ہونا جس کی طرف لوگ خیر سیکھنے کے لیے رجوع کریں۔³⁹ ان میں پہلی جہت بلاغی تمثیل سے متعلق ہے اور دوسری پیروی کے تعلق سے۔ طبری کا معلم خیر والا بیان دوسری جہت کے قریب ہے، لیکن اس قرب سے ان کی تمام تفسیری تحلیلیں یکساں نہیں ہو جاتیں۔

ابن عاشور بھی اس مقام پر ابراہیم علیہ السلام کے جامع فضل اور دینی انفرادیت کے پہلو سامنے لاتے ہیں۔⁴⁰ اس تقابل میں ایک مشترک نتیجہ یہ ہے کہ امت کا وصف یہاں محض عددی جماعت نہیں۔ تاہم اس کی توجیہ میں جامعیت، مقتدایت اور دینی انفرادیت کے مختلف پہلو نمایاں کیے گئے ہیں۔ ان اقوال کے درمیان تعلق جانچتے ہوئے یہ پوچھنا ہو گا کہ کیا وہ ایک دوسرے کی نفی کرتے ہیں یا ایک غیر معمولی وصف کے مختلف قرآن بیان کرتے ہیں۔ یہاں زمانی ارتقاء کا فیصلہ مزید احتیاط چاہتا ہے۔ اگر متقدم بیان میں مقتدا کا مفہوم اور بعد کے بیان میں جامعیت کی تفصیل ملتی ہے تو صرف اس فرق سے امت کی لغوی تاریخ کا نیا مرحلہ ثابت نہیں ہوتا۔ بعد کا مفسر پہلے سے معروف بلاغی امکان کو زیادہ تفصیل سے بیان کر رہا ہو سکتا ہے۔ تاریخی نتیجے کے لیے متعلقہ تعبیر کی قدیم موجودگی، اس کے استعمال کا دائرہ اور مصادر کا تسلسل بھی دیکھا جائے گا۔ موجود تقابل اس وصف کی مختلف تفسیری توجیہات دکھاتا ہے؛ وہ ان تمام توجیہات کے آغاز کی تاریخ متعین نہیں کرتا۔

جدید سیاسی مطالعے میں امت، قوم اور ریاست کے باہمی فرق پر بحث ہو سکتی ہے، مگر قرآنی استعمالات کو موجودہ انتظامی حدود میں بند کرنا درست نہیں۔ ریاست ایک سیاسی ادارہ ہے؛ جماعت یا امت کا تعلق مذہب، طریقے، نسب یا دوسرے مشترک امور سے ہو سکتا ہے۔ بعض حالات میں ان کے مصادیق ایک دوسرے کے ساتھ مل سکتے ہیں، لیکن مصداقی اشتراک لغوی یکسانیت نہیں بناتا۔ اس فرق کے بغیر قرآنی لفظ ایک جدید نظریے کی محض سند بن جاتا ہے۔ تاریخی ارتقاء کی تحقیق کے لیے قبل اسلام اور بعد کے استعمالات کا الگ جائزہ درکار ہو گا۔ اگر کوئی محقق دعویٰ کرے کہ امت پہلے صرف جماعت تھی اور بعد میں مذہبی اجتماع بنی، تو اسے قدیم نصوص، زمانی ترتیب اور مخالف شواہد بھی پیش کرنا ہوں گے۔ قرآن میں خود جماعت، طریقہ، مدت اور پیشوائی کے استعمالات کی موجودگی صرف تنوع ثابت کرتی ہے۔ ان کے درمیان تاریخی پیدائش کا فیصلہ اس سے الگ ہے۔

اس اصطلاح کا حاصل یہ ہے کہ امت کا قرآنی میدان وسیع اور سیاق کے لحاظ سے متنوع ہے۔ مسلم جماعت کے متعلق اس کی اخلاقی تنظیم اہم ہے، لیکن وہ لفظ کے تمام استعمالات کو ختم نہیں کرتی۔ تحقیق میں اجتماعی تصور کی تشکیل، متعدد دلائلوں اور تاریخی تبدیلی کے دعوے میں فرق محفوظ رکھا جائے تو امت کی قرآنی معنویت زیادہ واضح اور اس کے معاصر استعمالات زیادہ ذمہ دارانہ ہو جاتے ہیں۔

س۔ الصبر کے معنوی پہلوؤں کا تقابلی مطالعہ

صبر کا قرآنی تصور انسانی ارادے، عمل اور اخلاقی ضبط سے متعلق ہے۔ اس کو صرف مصیبت پر خاموش رہنے یا کسی ناخوشگوار صورت میں بے عملی اختیار کرنے کے معنی میں محدود کرنا درست نہیں۔ اس کے مواقع میں اطاعت، آزمائش، دعوت اور اجتماعی استقامت شامل ہو سکتے ہیں۔ ان صورتوں میں مشترک تعلق اپنے عمل کو مطلوب اخلاقی سمت پر قائم رکھنے کا ہے۔ تاہم یہ مشترک وصف ہر مقام کی مخصوص کیفیت ختم نہیں کرتا؛ مصیبت کا صبر، عبادت کی پابندی اور مقابلے کی استقامت اپنی عملی صورتوں میں مختلف ہیں۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ﴾⁴¹

ترجمہ: اے ایمان والو! صبر اور نماز کے ذریعے مدد چاہو؛ بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اصْبِرُوا وَصَابِرُوا وَرَابِطُوا وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾⁴²

ترجمہ: اے ایمان والو! صبر کرو، مقابلے میں ثابت قدم رہو، مستعد رہو اور اللہ سے ڈرو، تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔

راغب صبر کی توضیح کرتے ہیں:

"وَالصَّبْرُ: حَبْسُ النَّفْسِ عَلَى مَا يَقْتَضِيهِ الْعَقْلُ وَالشَّرْعُ، أَوْ عَمَّا يَقْتَضِيَانِ حَبْسَهَا عَنْهُ"⁴³

ترجمہ: صبر نفس کو اس چیز پر قائم رکھنا ہے جس کا عقل اور شریعت تقاضا کریں، یا اسے اس چیز سے روکنا ہے جس سے روکنے کا دونوں

تقاضا کریں۔

یہ تعریف صبر کے فعال اخلاقی تعلق کو واضح کرتی ہے۔ کبھی انسان کو اچھے عمل پر قائم رہنا پڑتا ہے؛ کبھی کسی ممنوع خواہش سے رکنا؛ اور کبھی آزمائش میں اپنے ردِ عمل کو منضبط کرنا۔ ان سب میں ارادے کی تربیت موجود ہے۔ اس لیے صبر کو صرف خارجی حالات کی برداشت کہنا اس کے ایک پہلو کو بیان کرتا ہے، پورے تصور کو نہیں۔ پہلی آیت میں نماز کے ساتھ اس کا تعلق دینی مدد اور استقامت کی جہت سامنے لاتا ہے۔

دوسری آیت میں صبر، مصابہ، رابطہ اور تقویٰ کا مجموعہ اجتماعی عمل کی طرف توجہ دلاتا ہے۔ قرطبی اس مقام پر اطاعت، خواہشات سے اجتناب اور مقابلے کی استقامت سے متعلق اقوال بیان کرتے ہیں۔⁴⁴ اس مواد سے صبر کے مواقع کی وسعت سامنے آتی ہے۔ تاہم ہر منقول قول کو ایک الگ لغوی معنی قرار دینا مناسب نہیں؛ بعض اقوال عمومی وصف کی عملی مثالیں ہیں۔

صبر اور بے عملی میں فرق کرنا خاص اہمیت رکھتا ہے۔ کسی ذمہ داری کو مسلسل ادا کرنا، درست تدبیر پر قائم رہنا اور مشکل کے باوجود اخلاقی حد سے تجاوز نہ کرنا عمل کی صورتیں ہیں۔ اگر کوئی شخص صبر کے نام پر اپنے واجب کام سے دست بردار ہو جائے تو صرف لفظ کے استعمال سے اس کی حالت قرآنی معیار کے مطابق نہیں بن جاتی۔ صبر کی تحسین اس کے متعلق، مقصد اور اخلاقی سمت سے وابستہ ہے۔ مطلوب استقامت اور غلط کام پر اصرار ایک چیز نہیں۔

مصیبت کے باب میں صبر انسانی رنج کے خاتمے کا نام بھی نہیں۔ غم، آنسو اور دل کی تکلیف انسانی تجربے کا حصہ ہیں۔ صبر کا اخلاقی مسئلہ یہ ہے کہ انسان اپنے قول و فعل میں کون سی حد قائم رکھتا ہے۔ اگر صبر کو احساس سے خالی ہو جانا سمجھ لیا جائے تو اس کی تربیتی معنویت متاثر ہوگی۔ یہ فرق لفظ کی عملی توضیح میں مدد دیتا ہے، لیکن نفسیاتی حالات کی ہر تفصیل کو صبر کا لغوی معنی نہیں بنادیتا۔

دعوت اور تدریس میں صبر کا تعلق وقت، تکرار اور تدریجی اثر سے ہو سکتا ہے۔ داعی یا معلم اپنی ذمہ داری ادا کرتا ہے، مگر ہر نتیجہ فوراً حاصل نہیں ہوتا۔ صبر اس عمل کو اخلاقی نظم دیتا ہے؛ وہ غلط طریقے کے تسلسل کی اجازت نہیں دیتا۔ اگر طریقے میں اصلاح کی ضرورت ہو تو صبر اور نظر ثانی باہم جمع ہو سکتے ہیں۔ اس مثال سے صبر کو جامد برداشت کے بجائے ذمہ دارانہ استقامت کے طور پر سمجھنے کی عملی اہمیت واضح ہوتی ہے۔

فقہی استعمال میں صبر کا حکم اس کے متعلق سے الگ نہیں کیا جاسکتا۔ ہر اذیت پر یکساں خاموشی، ہر تنازع میں یکساں دست برداری یا ہر خطرے میں یکساں قیام کا حکم صرف لفظ صبر سے اخذ نہیں ہوگا۔ حق، استطاعت، ضرر اور متعلقہ شرعی حکم بھی دیکھنا ہوں گے۔ اخلاقی فضیلت ایک عمومی رہنما وصف ہو سکتی ہے، لیکن عملی فیصلہ دوسرے دلائل سے بھی متعلق ہے۔ اس فرق کے بغیر فضیلت کی نص کو ہر صورت کے لیے غیر مشروط قانونی ضابطہ بنا دیا جاتا ہے۔

صبر کے تقابلی مطالعے میں مشتقات کا فرق بھی مفید ہے۔ صبر، مصاہرہ اور اصطبار کے صیغوں میں زور اور عمل کی کیفیت کے لحاظ سے مناسبتیں ہو سکتی ہیں۔ لیکن صرف صیغہ کی زیادت سے ہر جگہ ایک قطعی اور مستقل نیا مفہوم ثابت نہیں کیا جاسکتا۔ متعلقہ ترکیب اور موضوع بھی دیکھنا ہوں گے۔ صرفی امکانات معنوی تحقیق کے لیے معاون ہیں؛ ان سے الگ سیاقی فیصلہ کرنا ضروری ہے۔

تاریخی اعتبار سے یہ ثابت کرنا کہ قرآن نے صبر کو ایک پہلے سے محدود معنی سے وسیع اخلاقی تصور میں منتقل کیا، قبل قرآنی استعمالات کی باقاعدہ تحقیق چاہتا ہے۔ موجود منتخب آیات یہ دکھاتی ہیں کہ قرآن میں صبر کا اخلاقی اور عملی میدان وسیع ہے۔ اس سے اس وسعت کی قرآنی اہمیت ثابت ہوتی ہے، لیکن اس کی تمام تاریخی جزئیات ثابت نہیں ہوتیں۔ علمی احتیاط یہ ہے کہ ثابت وسعت اور مفروض تاریخی تبدیلی میں فرق رکھا جائے۔

صبر کا حاصل یہ ہے کہ اس کے مختلف مواقع ایک مشترک اخلاقی وصف کے گرد مربوط ہو سکتے ہیں۔ یہ وصف انسان کو صحیح عمل پر قائم رہنے، غلط عمل سے رکنے اور آزمائش میں اپنے رد عمل کی نگرانی کرنے میں مدد دیتا ہے۔ قرآنی تصور میں صبر ارادے کی تربیت ہے؛ اس کی وسعت مواقع کے تنوع سے واضح ہوتی ہے، جب کہ اس کی قدر متعلقہ عمل اور تقویٰ کے ساتھ جڑی رہتی ہے۔

۴۔ الہدی کے مفہیم میں وسعت کا تجزیہ

ہدی اور ہدایت کے استعمالات رہنمائی، بیان، قبول اور صحیح سمت پر قائم رہنے سے متعلق مختلف جہتیں ظاہر کرتے ہیں۔ ان کا مطالعہ کرتے ہوئے ہدایت دینے والے، ہدایت پانے والے، مطلوب راستے اور متعلقہ نتیجے کو الگ دیکھنا چاہیے۔ یہی نسبتیں اس بات کی توضیح کرتی ہیں کہ قرآن میں ہدایت کبھی عام مخلوق کے لیے، کبھی انسانی مخاطب کے لیے، کبھی رسول کی طرف اور کبھی خاص طور پر اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہوتی ہے۔ اس تنوع کو ایک ہی مختصر عملی نتیجے میں محدود کرنا متعدد آیات کی دلالت کو کم کر دے گا۔

(قَالَ رَبُّنَا الَّذِي أَعْطَى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهُ ثُمَّ هَدَى)⁴⁵

ترجمہ: انہوں نے کہا: ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو اس کی ساخت عطا کی، پھر اسے راہ دکھائی۔

(وَأَمَّا ثَمُودُ فَهَدَيْنَاهُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمَىٰ عَلَى الْهُدَىٰ)⁴⁶

ترجمہ: اور ثمود کو ہم نے راستہ دکھایا، مگر انہوں نے ہدایت کے مقابلے میں اندھے پن کو پسند کیا۔

راغب لکھتے ہیں:

"الْهُدَايَةُ: دَلَالَةٌ بِلُطْفٍ."⁴⁷

ترجمہ: ہدایت لطف کے ساتھ راہ دکھانا ہے۔

پہلی آیت ہدایت کو مخلوق کی ساخت اور اس کے مناسب راستے سے متعلق ظاہر کرتی ہے۔ اس کی تفسیری توضیح میں طبری مختلف مخلوقات کے لیے ان کے متعلقہ احوال کی رہنمائی بیان کرتے ہیں۔⁴⁸ اس مقام پر ہدایت کو صرف انسان کے ایمان قبول کرنے کا مترادف بنادینا مناسب نہیں، کیونکہ کلام کا دائرہ ہر چیز کی تخلیق اور رہنمائی ہے۔

دوسری آیت میں راستہ دکھانے کے باوجود انکار کا ذکر ہے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ رہنمائی فراہم ہونا اور اسے قبول کرنا ایک ہی بات نہیں۔ طبری متعلقہ مقام پر حق کی راہ واضح کرنے کی توضیح کرتے ہیں۔⁴⁹ اس کے بعد مخاطب کا انتخاب بھی بیان ہوا ہے۔ اگر ہدایت کا ہر استعمال کامیاب قبول کے معنی میں لیا جائے تو آیت کا یہ فرق اوجھل ہو جائے گا۔

رسول اللہ ﷺ کے لیے ہدایت کی نفی اور اثبات کے مقامات پہلے بیان ہوئے ہیں۔ ان کا مشترک مطالعہ دعوت و بیان اور دل کے قبول کی توفیق میں فرق سمجھنے میں مدد دیتا ہے۔ رسول راستہ واضح کرتے، دعوت دیتے اور حق کی رہنمائی کرتے ہیں؛ قبول کی توفیق کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہے۔ اس فرق کا مقصد رسول کی دعوت کے کردار کو محدود کرنا نہیں، بلکہ دو الگ نسبتوں کو ان کے محل پر سمجھنا ہے۔ اس سے داعی کی ذمہ داری اور نتیجے کے تعلق میں بھی علمی وضاحت پیدا ہوتی ہے۔

قرآن کو متقین کے لیے ہدایت کہنا ایک دوسرے سوال کو سامنے لاتا ہے: کتاب کی رہنمائی اور اس سے فائدہ اٹھانے والے کا اخلاقی حال کیا تعلق رکھتے ہیں؟ یہاں تقویٰ کی نسبت سے انتفاع کی جہت نمایاں ہو سکتی ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ کتاب میں دوسرے انسانوں کے لیے کوئی پیغام نہیں۔ عمومی خطاب اور مؤثر قبول کے دائرے الگ ہو سکتے ہیں۔ متعلقہ مقام میں اس فرق کو دیکھنا لفظ کی دلالت کو غیر ضروری تضاد سے محفوظ رکھتا ہے۔

ہدایت کے باب میں ذریعہ اور نتیجہ کا فرق بھی اہم ہے۔ وحی، رسول اور دلیل رہنمائی کے ذرائع ہو سکتے ہیں؛ راہ کی معرفت، قبول اور اس پر عمل اس کے مختلف نتائج یا درجات ہیں۔ بعض قرآنی مقامات میں ذریعہ نمایاں ہے اور بعض میں مخاطب کا حاصل۔ ہر استعمال کو ایک ہی مرحلے میں بند کرنے سے مفہوم کا ربط متاثر ہو گا۔ اس کے برعکس ہر مرحلے کو مکمل طور پر الگ غیر متعلق لفظی معنی قرار دینا بھی مطلوب نہیں۔ مشترک تعلق رہنمائی کا ہے، لیکن اس کی عملی تکمیل مختلف درجوں میں سامنے آتی ہے۔

بندے کی دعائیں ہدایت کی درخواست اس کی مسلسل ضرورت کو ظاہر کرتی ہے۔ ہدایت کو صرف کسی ایک ابتدائی لمحے کا نام سمجھ لیا جائے تو معرفت میں اضافہ، صحیح عمل اور استقامت کی جہت کمزور پڑتی ہے۔ قرآن میں ہدایت سے متعلق دوسرے بیانات اس کی جاری اخلاقی معنویت کو واضح کر سکتے ہیں۔ تاہم دعا کی اس وسعت سے ہر جدید نفسیاتی یا تعلیمی تصور کو ہدایت کا اصل معنی قرار نہیں دیا جاسکتا۔ اطلاق اپنے دلائل کے مطابق رہے گا۔

معاصر دعوت میں اس فرق کا عملی فائدہ یہ ہے کہ بیان کی ذمہ داری اور مخاطب کے قبول کو الگ پہچانا جائے۔ صحیح پیغام پہچانا، مناسب زبان اختیار کرنا اور دلائل واضح کرنا انسانی عمل کے دائرے میں ہیں۔ کسی کے باطن کے قطعی فیصلے یا ہر دعوتی کوشش کے لازمی نتیجے کا دعویٰ اس دائرے سے آگے ہے۔ یہ معنوی امتیاز تدریس اور دعوت میں ذمہ دارانہ رویہ پیدا کر سکتا ہے۔ اسے آیات سے اخذ کردہ اطلاق کہا جائے گا، نہ لفظ ہدایت کی پوری لغوی تعریف۔

ہدایت کے درجوں کی تفسیری تقسیم کو بھی اسی معیار سے پرکھنا چاہیے۔ عمومی رہنمائی، دینی بیان، توفیق اور آخرت کے انجام سے متعلق تقسیمات متعدد مقامات کو منظم کرنے کی کوشش ہیں۔ یہ تقسیمات اگر آیات کے باہمی فرق کو واضح کریں تو مفید ہیں، لیکن ان کی فنی عبارت کو ہر قرآنی مقام پر بعینہ موجود سمجھنا ضروری نہیں۔ مفسر کی تنظیم اور قرآن کے لفظی بیان میں امتیاز علم تفسیر کا بنیادی ادب ہے۔

ہدایت کے لفظ میں مثبت عرف کے ساتھ غیر معمولی سیاق بھی ملحوظ رہنے چاہئیں۔ قرآن میں کسی راستے کی طرف لے جانے کا بیان ہمیشہ نجات کی رہنمائی کے معنی میں نہیں ہو گا۔ جہاں عذاب کی طرف لے جانے کا ذکر ہو وہاں متعلقہ منزل دلالت کی قدر متعین کرتی ہے۔ اس فرق سے معلوم ہوتا ہے کہ بنیادی لسانی

تعلق اور دینی طور پر محمود استعمال ہمیشہ ایک ہی سطح پر نہیں ہوتے۔ کسی لفظ کا عمومی مثبت تاثر اس کے ہر استعمال کی قدر طے نہیں کرتا۔ ایسے مقامات کا استقراء ہدایت کی جامع تحقیق کے لیے ضروری ہوگا، خواہ اس انتخابی مضمون میں ان کی تفصیل الگ نہ کی گئی ہو۔

اسی طرح کسی مخالف گروہ کے اپنے آپ کو ہدایت یافتہ کہنے میں دعوے کی نسبت اہم ہے۔ کلام اگر ان کا قول نقل کر رہا ہو تو ان کے خود ساختہ معیار اور قرآن کے معیار میں فرق دیکھا جائے گا۔ اس سے دلالت کے ایک اور اصول کی تائید ہوتی ہے: الفاظ کے معنی کے ساتھ متکلم، نقل قول اور خطاب کی جہت بھی اہم ہیں۔ یہ اصول امت اور ہدایت دونوں کے مطالعے میں مفید ہے، کیونکہ شناخت اور راستے کی دعوے داریاں خود اپنی صحت کی دلیل نہیں ہوتیں۔

اس اصطلاح کا نتیجہ یہ ہے کہ ہدایت کے مختلف استعمالات رہنمائی کے ایک مربوط میدان میں آتے ہیں، مگر نسبت اور درجے کے لحاظ سے ان میں فرق ہے۔ بعض مقامات پر راستہ دکھانا، بعض پر اس کا قبول اور بعض پر صحیح سمت پر قائم رہنا نمایاں ہوتا ہے۔ اس وسعت کو تاریخی معنی کی تبدیلی کے بجائے قرآنی استعمالات کی منضبط تفہیم کہنا منتخب شواہد کے زیادہ مطابق ہے۔ ہدایت کا یہ مطالعہ لفظی یکسانیت کے ساتھ عملی اختلاف کو سمجھنے کی ایک واضح مثال فراہم کرتا ہے۔

خلاصہ بحث

منتخب شواہد سے قرآنی اصطلاحات کے مطالعے میں ایک بنیادی نتیجہ سامنے آتا ہے: معنی کی کثرت، تصور کی وسعت، تفسیر کی تفصیل اور تاریخی تبدیلی الگ علمی صورتیں ہیں۔ ان کے درمیان امتیاز قائم کیے بغیر معنوی ارتقاء کا عنوان مبہم رہتا ہے۔ قرآن میں کسی لفظ کا متعدد سیاقوں میں آنا یہ ضرور ثابت کرتا ہے کہ اس کی دلالت ایک مختصر مترادف سے پوری نہیں ہوتی؛ لیکن یہ بذات خود اس کے مختلف مفہیم کی زمانی پیدائش ثابت نہیں کرتا۔ تاریخی دعوے کے لیے قرآنی استعمالات کے ساتھ قابلِ تعین قدیم لسانی شہادتیں بھی درکار ہیں۔

قریہ کے مطالعے میں آبادی اور اہل آبادی کا تعلق نمایاں ہوا۔ بعض تفسیری تحلیلیں حذف کو بیان کرتی ہیں اور بعض لفظ کی وسیع دلالت کو؛ ان میں عملی مراد مشترک ہو سکتی ہے۔ امت کے مطالعے میں جماعت، طریقہ، مدت اور پیشوائی کے استعمالات سامنے آئے۔ ان میں اخلاقی قدر ایک جیسی نہیں؛ متعلقہ گروہ یا شخص کی حیثیت سیاق سے معلوم ہوگی۔ صبر کے مطالعے میں مختلف مواقع کے درمیان اخلاقی ضبط اور استقامت کا تعلق واضح ہوا، لیکن اس کے ہر مقام کو بے عملی یا خاموش برداشت میں محدود کرنا درست نہیں۔ ہدایت کے مطالعے میں رہنمائی کی نسبت، قبول اور عملی درجے کا فرق بنیادی ثابت ہوا۔

منتقد اور متاخر تفاسیر کے منتخب تقابلیں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عبارت کی طوالت اور فنی اصطلاحات کی کثرت کو معنی کی تبدیلی کا براہ راست معیار نہیں بنایا جاسکتا۔ قدیم مختصر توضیح کسی اہم فرق کو پہلے ہی واضح کر سکتی ہے؛ بعد کی تفصیل اسی فرق کو نئے علمی سوال کے جواب میں منظم کر سکتی ہے۔ اس لیے تقابلی تحقیق میں مفسر کے الفاظ، اس کے استدلال اور اس کی مراد کو الگ الگ دیکھنا ضروری ہے۔

لفت، نحو، سیاق اور منقول بیان کی مشترک قراءت اس مطالعے کا مرکزی منہج ہے۔ لغت ممکنہ دلائلوں کو دکھاتی ہے، نحو ان کے باہمی تعلق کو منضبط کرتی ہے، سیاق مناسب مراد کو نمایاں کرتا ہے اور معتبر تفسیری شہادت اس کے فہم میں مزید مدد دیتی ہے۔ ان میں سے کسی ایک کو غیر مشروط فیصلہ کن بنادینا قرآنی کلام کی دوسری جہتوں کو کمزور کر سکتا ہے۔

اس تحقیق کا حتمی حاصل یہ ہے کہ منتخب اصطلاحات میں معنوی تنوع اور توضیحی وسعت کے شواہد زیادہ واضح ہیں۔ ان کے تاریخی ارتقاء کی جامع تاریخ اس انتخابی مطالعے سے ثابت نہیں کی گئی۔ یہ تحدید تحقیق کی کمزوری کے بجائے اس کے دعوے کی درست حد ہے۔ قرآن کے الفاظ کی گہرائی اس وقت زیادہ معتبر انداز میں سامنے آتی ہے جب ہر نتیجہ اپنی شہادت کے مطابق بیان ہو اور معاصر اطلاق کو اصل مراد سے الگ مگر مربوط رکھا جائے۔

تجاذب و سفارشات

- ۱۔ قرآنی اصطلاحات کی آئندہ تحقیق میں ہر لفظ کے تمام مقامات، متعلقہ مشتقات اور نحوی تعلقات کی فہرست تیار کی جائے۔ شمار کے ساتھ یہ بھی بتایا جائے کہ لفظ، مادہ اور مشتق کی سطح پر استقراء کیسے کیا گیا ہے، تاکہ مختلف تحقیقات کے نتائج قابل تقابل ہوں۔
- ۲۔ قبل اسلام، عہد نزول اور بعد کے عربی استعمالات کی زمانی شہادتیں الگ جمع کی جائیں۔ جس شعریانثری عبارت سے تاریخی نتیجہ اخذ ہو، اس کی نسبت، روایت اور تاریخی قوت واضح کی جائے۔ غیر متعین قدیم استعمال کو قطعی تاریخی ترتیب کی بنیاد نہ بنایا جائے۔
- ۳۔ تفسیری اقوال کے لیے ایک ایسی درجہ بندی اختیار کی جائے جس میں لغوی تعریف، مصداق کی تعیین، مثال، لازم معنی، بلاغی توجیہ اور فقہی استنباط الگ ہوں۔ اس طریقے سے معانی کی غیر ضروری کثرت اور اقوال کے مصنوعی تعارض میں کمی آئے گی۔
- ۴۔ قریہ اور مدینہ کے تمام قرآنی استعمالات کا مستقل تقابلی مطالعہ کیا جائے۔ جدید شہری تقسیم اور اخلاقی کلیات کو پہلے سے معیار بنانے کے بجائے ہر مقام کے فعل، وصف اور قصے کی مناسبت سے نتیجہ اخذ کیا جائے۔
- ۵۔ امت کے مطالعے میں جماعت، طریقہ، مدت اور مقتدا کے استعمالات کے ساتھ جدید سیاسی تعبیرات کا تقابل کیا جائے، مگر اصل دلالت اور معاصر اطلاق کے ابواب الگ رکھے جائیں۔ اس سے قرآنی اصطلاح کی تاریخی حیثیت اور موجودہ معنویت دونوں واضح ہوں گی۔
- ۶۔ صبر اور ہدایت کی تدریس میں ان کے متعدد عملی مواقع اور درجات کو مثالوں کے ساتھ سمجھایا جائے۔ اخلاقی فضیلت کو ہر صورت کے لیے ایک غیر مشروط فقہی حکم میں تبدیل کرنے سے گریز کیا جائے، اور متعلقہ حکم کے لیے دوسرے دلائل بھی سامنے رکھے جائیں۔

حواشی و حوالہ جات

1. 12:2, *sufūY*
2. 26:195, *ā'Shu'ar-Al*
3. dda āM .nā'Qur-b alīGhar īt fāMufrad-Al .ammadhusayn ibn MuH-al ,īnāfahṣI-ghib alāR .milah, n.dāSh-yah alīnā'Qur-ah alū'Maws-Qary. " Al" .Accessed June 4, 2026 .<https://quranpedia.app/uloom/raghib/w/q0r0y2.html>
4. 16:44, *lḥNa-Al*
5. 6:82, *māAn'-Al*
6. 31:13, *nāLuqm*
7. -al ū'm, 6:82. Mashrā'An-r alīTafs .mzīA '-n alā'Qur-r alīTafs .Umar' l ibnā'īr, Ismīlbn Kath .d, n.dū'Malik Sa-at al'miāJ ,īnūlliktr-af alshMu .2026 ,4 Accessed June .[aya82.html-https://quran.ksu.edu.sa/tafseer/katheer/sura6](https://quran.ksu.edu.sa/tafseer/katheer/sura6)
8. 4:82, *ā'Nis-Al*
9. 3:7, *nāImr' lĀ*
10. alah 'Mas-al ,īnāTh-al 'Naw-id, alāšMaq-b alāKit .tāfaqāMuw-Al .āsūm ibn Mīhālbr ,ībātSh -n." AlīUmniyy-d alūh'Ma ā'ah min Ittibī'Shar-Fahm al īBudda f āl "Lṣah, Fa'biāR-al



- .m Web, n.d. 2:132āyah, IslīmāIsl-Maktabah al
.Accessed June 4, 2026 .<https://www.islamweb.net/ar/library/content/99/139>
11. .14:4 ,*mīhālbr*
 12. .12:82 ,*sufūY*
 13. .12:45 ,*sufūY*
 14. .12:82 ,*sufūY*
 15. suf, 12:82. ūr YīTafs .*nā'Qur-y alĀ līw'an Ta' nāBay-al 'miāJ*. rīammad ibn JarḥMu ,īabarṬ
.d, n.dū'Malik Sa-at al'miāJ ,īnūlliktr-af alshMu-al ū'Mashr
.Accessed June 4, 2026 .[aya82.html-12https://quran.ksu.edu.sa/tafseer/tabary/sura](https://quran.ksu.edu.sa/tafseer/tabary/sura)
 16. .16:120 ,*lḥNa-Al*
 17. .<https://quran.ksu.edu.sa/tafseer/tabary/sura16> .l, 16:120ḥNa-r alīTafs .*nāBay-al 'miāJ*,īabarṬ
.Accessed June 4, 2026 .[aya120.html](https://quran.ksu.edu.sa/tafseer/tabary/sura16)
 18. .28:56 ,*ṣaṣQa-Al*
 19. .42:52 ,*ārūSh-Al*
 20. .*nāMann-m alār KalīTafs īn fāmḥRa-m alīKar-r alīTays* .irāšn ibn NāmḥRa-Abd al' ,īSa'd
.d, n.dū'Malik Sa-at al'miāJ ,īnūlliktr-af alshMu-al ū'Mashr .28:56 ,ṣaṣQa-r alīTafs
.Accessed June 4, 2026 .[aya56.html-https://quran.ksu.edu.sa/tafseer/saadi/sura28](https://quran.ksu.edu.sa/tafseer/saadi/sura28)
 21. ithāḥB-Kahf, 18:77. Al-r alīTafs .*rīTanw-r wa alīrḥTa-Al* .hirṬā-ammad alḥr, MuūshĀIbn '
.Accessed June 4, 2026 .[aashoor/18/77-https://tafsir.app/ibn](https://quran.ksu.edu.sa/tafseer/saadi/sura28) .n.d ,īnā'Qur-al
 22. .4:75 ,*ā'Nis-Al*
 23. .18:59 ,*Kahf-Al*
 24. .12:45 ,*sufūY*
 25. .<https://quran.ksu.edu.sa/tafseer/tabary/sura12> .suf, 12:45ūr YīTafs .*nāBay-al 'miāJ*,īabarṬ
.Accessed June 4, 2026 .[aya45.html](https://quran.ksu.edu.sa/tafseer/tabary/sura12)
 26. .2:153 ,*Baqarah-Al*
 27. .3:200 ,*nāImr' lĀ*
 28. .17:9 ,*ā'Isr-Al*
 29. .12:82 ,*sufūY*
 30. .18:77 ,*Kahf-Al*
 31. .18:82 ,*Kahf-Al*
 32. ū'suf, 12:82. Mashrūr YīTafs .*nā'Qur-m alākḥli A 'miāJ-Al* .madḥammad ibn AḥMu ,īubṭQur
.d, n.dū'Malik Sa-at al'miāJ ,īnūlliktr-af alshMu-al
.Accessed June 4, 2026 .[aya82.html-https://quran.ksu.edu.sa/tafseer/qortobi/sura12](https://quran.ksu.edu.sa/tafseer/qortobi/sura12)
 33. .2:143 ,*Baqarah-Al*
 34. .43:22 ,*Zukhruf-Al*
 35. .16:120 ,*lḥNa-Al*
 36. .Zukhruf, 43:22-r alīTafs .*nāBay-al 'miāJ*,īabarṬ
.Accessed June 4, 2026 .[aya22.html-https://quran.ksu.edu.sa/tafseer/tabary/sura43](https://quran.ksu.edu.sa/tafseer/tabary/sura43)
 37. .<https://quran.ksu.edu.sa/tafseer/tabary/sura6> .m, 6:38ā'An-r alīTafs .*nāBay-al 'miāJ*,īabarṬ
.Accessed June 4, 2026 .[aya38.html](https://quran.ksu.edu.sa/tafseer/tabary/sura6)
 38. -ah alū'Maws-dda "Umm." AlāM .*nā'Qur-b alīGhar īt fāMufrad-Al* .īnāfahṣI-ghib alārR
Accessed .<https://quranpedia.app/uloom/raghib/w/a2m0.html> .milah, n.dāSh-yah alīnā'Qur
.June 4, 2026



39. -r alīTafs .*līTanz-al dmiāiq Ghawā'aqH an' fāKashsh-Al* .Umar' d ibnūmhMa ,īZamakhshar
Accessed June 4, <https://tafsir.app/kashaf/16/120> .n.d ,īnā'Qur-ith alāhB-l, 16:120. AlhNa
.2026
40. <https://tafsir.app/ibn> .l, 16:120hNa-r alīTafs .*rīTanw-r wa alīrḥTa-Al* ,rūshĀIbn '
.Accessed June 4, 2026 .aashoor/16/120
41. .2:153 ,*Baqarah-Al*
42. .3:200 ,*nāImr' lĀ*
43. -ah alū'Maws-abr." Alī" ddaāM .*nā'Qur-b alīGhar īt fāMufrad-Al* .īnāfahşI-ghib alāR
Accessed <https://quranpedia.app/uloom/raghib/w/s2b0r0.html> .milah, n.dāSh-yah alīnā'Qur
.June 4, 2026
44. .n, 3:200āImr' lĀ rīTafs .*nā'Qur-m alākḥli A 'miāJ-Al* ,īubṭQur
.Accessed June 4, 2026 .aya200.html-<https://quran.ksu.edu.sa/tafseer/qortobi/sura3>
45. .20:50 ,*āH Ṭā*
46. .41:17 ,*ilatşşFu*
47. -ah alū'Maws-dda "Hady." AlāM .*nā'Qur-b alīGhar īt fāMufrad-Al* .īnāfahşI-ghib alāR
Accessed <https://quranpedia.app/uloom/raghib/w/h0d0y2.html> .milah, n.dāSh-yah alīnā'Qur
.June 4, 2026
48. <https://quran.ksu.edu.sa/tafseer/tabary/sura20> .20:50 ,āH Ṭā rīTafs .*nāBay-al 'miāJ* ,īabarṬ
.Accessed June 4, 2026 .aya50.html
49. <https://quran.ksu.edu.sa/tafseer/tabary/sura41> .ilat, 41:17şşr FuīTafs .*nāBay-al 'miāJ* ,īabarṬ
.Accessed June 4, 2026 .aya17.html